اجتہاد اور تقلید

پر ایک تحقیقی نظر.... !

مؤلف:

مولانا رضا علی عابدی اینگوتی

— شائع کردہ —

زادِ راہ ٹرسٹ

روم نمبر ۴، بزنس سینٹر، گراؤنڈ فلور، ممتاز حسن روڈ،

آف آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی

فون نمبر: 32419858, 32411769

Website: www.zad-e-rah.com, Email: info@zad-e-rah.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب ''**اجتہاد اور تقلید پر ایک تحقیقی نظر**'' کاپی رائٹ ایکٹ ۱۹۶۲ء گورنمنٹ آف پاکستان کے تحت رجسٹرڈ ہے لہٰذا اس کتاب کے کسی حصّے کی طباعت و اشاعت، انداز تحریر، ترتیب، طریقے، جُزیا کل کسی سائز میں نقل کر کے بلا تحریری اجازتِ ناشر غیر قانونی ہوگی۔

نام کتاب:	اجتہاد اور تقلید پر ایک تحقیقی نظر
مؤلف:	مولانا رضا علی عابدی اینگوتی
نظر ثانی:	مولانا نذر الحسنین محمدی
ناشر:	**زادِ راہ ٹرسٹ**
پہلا ایڈیشن:	فروری ۲۰۱۳ء
اہتمام:	محمد رضا مرچنٹ
قیمت:	120 روپے

نوٹ: ادارے نے لاگت سے کم ہدیہ رکھا ہے لہٰذا چھپی ہوئی قیمت سے زیادہ پر فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

— : ملنے کا پتہ : —

****** زادِ راہ ٹرسٹ ******

رومنمبر ۴، بزنس سینٹر، گراؤنڈ فلور، ممتاز حسن روڈ، آف آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی۔
Tel: +9221-32411769, 32419858 Fax: +9221-32432199
Website : www.zad-e-rah.com , ww.zad-e-rah.net,
www.zad-e-rah.org , Email: info@zad-e-rah.com

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
مقدمہ	۱۰
عرض ناشر	۱۴
تقریظ از مولانا نذر الحسنین محمدی	۱۸
تقلید و اجتہاد کے معنی	۲۰
تقلید کیوں ضروری ہے؟	۲۴
جاہل کا جاہل کی تقلید کرنا	۲۵
عالم کا جاہل کی تقلید کرنا	۲۵
عالم کا عالم کی تقلید کرنا	۲۶
جاہل کا عالم کی تقلید کرنا	۲۶
تقلید کی اقسام	۳۷
ایسی تقلید جس سے منع کیا گیا ہے	۳۷
جائز تقلید	۴۱
میت کی تقلید کیوں جائز نہیں ہے؟	۴۳
مرجعیت کی ضرورت	۴۵
اجتہاد کی ضرورت	۴۹
خاتمیت انبیاء	۴۹

احکام اسلامی اور اس کے بنیادی مقاصد ۵۰
اسلام دین جاوید ۵۲
اسلام عالمگیر دین ہے ۵۳
اسلام مکمل ضابطہ حیات ۵۵
اجتہاد واجب کفائی ۵۷
اجتہاد کی اقسام ۵۹
ممنوع اجتہاد ۵۹
مشروع اجتہاد ۶۳
اجتہاد اور تقلید قرآن کے آئینے میں ۶۶
پہلی آیت ۶۶
دوسری آیت ۷۰
تیسری آیت ۷۳
اجتہاد اور تقلید حدیث کے آئینے میں ۷۴
پہلی حدیث ۷۷
دوسری حدیث ۷۹
تیسری حدیث ۸۳
چوتھی حدیث ۸۴
پانچویں حدیث ۸۵
چھٹی حدیث ۸۶

ساتویں حدیث ۸۸
آٹھویں حدیث ۹۰
نویں حدیث ۹۱
دسویں حدیث ۹۲
گیارہویں حدیث ۹۳
بارہویں حدیث ۹۵
تیرہویں حدیث ۹۶
چودہویں حدیث ۹۷
پندرہویں حدیث ۹۸
سولہویں حدیث ۹۹
سترہویں حدیث ۹۹
اٹھارہویں حدیث ۱۰۰
انیسویں حدیث ۱۰۱
بیسویں حدیث ۱۰۵
اجتہاد اور تقلید پر دلیل عقلی ۱۰۷
اجتہاد اور تقلید پر سیرۂ عقلاء ۱۱۳
اجتہاد اور تقلید فطرت کا تقاضا ۱۱۴
مرجع تقلید کی شرائط ۱۱۸
مرد ہو ۱۱۹

شیعہ اثنا عشری ہو ۱۲۳
صائن نفس ہو ۱۲۷
اپنے علم پر عمل کرنے والا ہو ۱۲۹
حافظ دین ہو ۱۳۱
ہادی ہو ۱۳۲
مخالف ہوا و ہوس ہو ۱۳۴
اپنے مولا کے فرمان پر عمل کرنے والا ہو ۱۳۵
مستقل نظریہ رکھتا ہو ۱۳۷
عادل ہو ۱۴۰
سادگی اور قناعت پسندی رکھتا ہو ۱۴۱
مروت رکھتا ہو ۱۴۱
وسعت قلبی رکھتا ہو ۱۴۲
خوش اخلاق ہو ۱۴۳
تقلید پر اعتراضات اور جوابات ۱۴۴
پہلا اعتراض اور جواب ۱۴۴
دوسرا اعتراض اور جواب ۱۵۱
تیسرا اعتراض اور جواب ۱۵۳
چوتھا اعتراض اور جواب ۱۵۸
پانچواں اعتراض اور جواب ۱۵۹

چھٹا اعتراض اور جواب ۱۶۱
ساتواں اعتراض اور جواب ۱۶۵
آٹھواں اعتراض اور جواب ۱۶۶
نواں اعتراض اور جواب ۱۶۷
دسواں اعتراض اور جواب ۱۶۸
گیارہواں اعتراض اور جواب ۱۷۰
بارہواں اعتراض اور جواب ۱۷۲
تیرہواں اعتراض اور جواب ۱۷۳
چودہواں اعتراض اور جواب ۱۷۶
پندرہواں اعتراض اور جواب ۱۷۸
سولہواں اعتراض اور جواب ۱۷۹
سترہواں اعتراض اور جواب ۱۸۰
اٹھارہواں اعتراض اور جواب ۱۸۱
انیسواں اعتراض اور جواب ۱۸۳
شیعوں میں اخباریت کا آغاز ۱۸۷
زمانہ حیات کے مطابق قدیم مراجعین عظام کے اسماء گرامی ۱۹۵
قدیم علماء کے رسالے یا عملیے ۲۰۳
فتاوی کے مختلف ہونے کے اسباب ۲۰۶
پہلا سبب ۲۰۷

دوسرا سبب ۲۰۸
تیسرا سبب ۲۰۹
چوتھا سبب ۲۱۰
پانچواں سبب ۲۱۰
چھٹا سبب ۲۱۱
ساتواں سبب ۲۱۱
آٹھواں سبب ۲۱۳
نواں سبب ۲۱۳
دسواں سبب ۲۱۴
گیارہواں سبب ۲۱۵
بارہواں سبب ۲۱۵
تیرہواں سبب ۲۱۶
چودہواں سبب ۲۱۶
پندرہواں سبب ۲۱۷
سولہواں سبب ۲۱۸
سترہواں سبب ۲۱۸
اختتامیہ ۲۱۹
منابع و مآخذ ۲۲۳

a a a a a

یہ کتاب

زادِراہ ٹرسٹ

کی جانب سے

مرحوم فاضل احمد بھائی

اور

مرحومہ زینب بائی

کے ایصال ثواب کے لئے

شائع کی گئی ہے

——ہدیہ——

ایک بار سورۂ الحمد اور ۳ بار سورۂ اخلاص اوّل اور آخر ۳، ۳

مرتبہ درود شریف پڑھنے کی درخواست ہے۔

مقدمہ

خداوند عالم نے بنی نوع انسان کو تمام مخلوقاتِ عالم پر فوقیت اور فضیلت دی ہے کیونکہ انسان کے اندر علم جیسی عظیم نعمت پائی جاتی ہے۔علم میں سب سے پہلا مرحلہ علم حِسّی کا آتا ہے جس میں انسان اور حیوانات اپنے حواس خمسہ کے ذریعے چیزوں کو محسوس کرتے ہیں، اس علم میں تمام حیوانات انسان کے ساتھ شریک ہیں۔اس مرحلۂ علمی کے بعد کا درجہ علم خیالی کا ہے جس میں انسان اور بعض حیوانات اپنے تصور کی قوت سے مختلف خیالات اپنے ذہن میں لاتے ہیں، اس مرحلۂ علمی میں بھی بعض حیوانات انسان کے ساتھ شریک ہیں۔اس مرحلہ علمی کے بعد علم وہمی کا مرتبہ ہے جس میں انسان اپنی قوت وہمی کے ذریعے مختلف چیزوں کے بارے میں نظریات قائم کرتا ہے، اس مرحلے سے انسان حیوان کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔اس مرحلۂ علمی کے بعد انسان اپنی فکر کے ذریعے علم کے کامل ترین مرحلے کو طے کرتا ہے۔غور وفکر کر کے نتائج نکالنا، سوچ سمجھ کر فیصلے کرنا، معروفات اور معلومات کی انگلی تھام کر مجہولات کی طرف سفر کرنا اور انہیں اپنے لئے معروف ومعلوم بنالینا انسانیت کا طرّۂ امتیاز ہے۔حالات وواقعات کے سیاق وسباق میں اپنے علم وفہم کے مطابق، اللہ کے دیئے ہوئے منطقی شعور کے ذریعے اپنے وظیفہ عمل کا پتہ لگالینا اور اپنا طریق کار معین کر لینا انسان کا فطری تقاضا اور بنیادی ضرورت ہے۔انسان کی یہی وہ خصوصیت ہے جو اسے حیوانوں کی صف سے نکال کر اشرف المخلوقات کی منزل پر فائز کر دیتی ہے۔

دنیا میں ہر شعبے سے تعلق رکھنے والا فرد خواہ اس کا تعلق تعلیم وتعلم سے ہو

یا محنت ومزدوری سے، بیرونی معاملات سے تعلق رکھنے والے مرد ہوں یا امور خانہ سے تعلق رکھنے والی خواتین سب استنباط واستخراج کی انہی وادیوں سے گزرتے ہیں اور اپنی زندگی گزارتے ہیں۔

ہر اقدام اور ہر عمل سے پہلے غور وفکر کر کے اپنا وظیفہ معلوم کرنا اور اس پر عمل کرنا ہی انسانی وجود کا وہ لازمہ ہے جو اسے ایک ذمہ دار مخلوق کی حیثیت سے دوسری مخلوقات پر فوقیت عطا کرتا ہے۔

یہی وہ طریقہ حیات اور وظیفہ عمل ہے جو پوری دنیائے انسانیت میں ہمیشہ سے جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ یہ نہ کسی قوم کا مخصوص عمل ہے نہ کسی مکتب فکر کا مخصوص نظریہ بلکہ فطرت کا وہ تقاضا ہے جو انسانوں کو آپس میں مربوط اور افراد کو ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم بناتا ہے، یعنی ہر انسان زندگی میں ہزاروں بار کبھی خود اپنے فیصلے پر عمل کرتا ہے اور کبھی دوسروں کے فیصلے پر، کبھی خود رائے قائم کر لیتا ہے اور کبھی دوسروں کی قائم کی ہوئی رائے پر چل پڑتا ہے۔

یہی طریقہ کار جب احکام شریعت معلوم کرنے کے لئے دنیائے شریعت میں اپنایا جاتا ہے تو دینی اصطلاح میں خود فیصلہ کر لینے کا نام ''اجتہاد'' اور دوسروں کے فیصلے پر عمل کرنے کا نام ''تقلید'' ہے اور یہ کوئی عقیدہ نہیں بلکہ ایک طریقہ عمل ہے اور یہ دونوں صورتیں منزل عمل تک پہنچنے کے دو راستے ہیں جن پر چلے بغیر بارگاہ الٰہی میں بری الذمہ ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اس موضوع کی اہمیت اور بعض گمراہ کرنے والے افراد کی مسئلہ تقلید کے حوالے سے ہرزہ سرائی کو دیکھتے ہوئے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ معصوم ذہنوں کو مختلف طریقوں سے مسموم وزہر آلود کرنے والے گروہ کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کے

لئے ایک مدلل اور تحقیقی کاوش، مکتب اہل بیتؑ کے حقیقی پیروکاروں کی خدمت میں پیش کی جائے تا کہ وہ مسئلہ تقلید کی حقیقت کو قرآن وسنت سے سمجھ سکیں اور سازشی عناصر کی جانب سے مذہب تشیع کے محافظوں کو بے اہمیت کر کے پیش کرنے کی کوششوں کو حقیقت کی عینک سے دیکھ سکیں اور ان کے مذموم ارادوں کو بھانپ سکیں کہ درحقیقت اس قسم کی مذموم جدوجہد کو کون شہہ دے رہا ہے اور اس کے پیچھے کیا خطرناک عزائم ہیں۔ان کے آقاؤں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ شیعیت کی بقاء کی ضمانت دو چیزوں کی مرہون منت ہے:

(۱) عزاداریٔ سید الشہداءؑ (۲) فقہائے مکتب اہل بیتؑ

ان کو معلوم تھا کہ ان سے پہلے بنی امیہ و بنی عباس، شیعوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی ناکام کوشش کر چکے ہیں لیکن یہ ایسی قوم ہے جب ان کے عزیزوں کو تہہ تیغ کیا گیا اور زندہ دیواروں میں چنا گیا تو ان کے حوصلے پست ہونے کے بجائے مزید بڑھتے گئے اور اپنے عقیدے پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح قائم رہے۔جب انہوں نے دیکھا کہ ان کو قتل کے ذریعے ختم نہیں کیا جا سکتا تو دوسری چال چلی کہ ان کا عقیدہ کمزور کر دیا جائے تو یہ خود بخود ختم ہو جائیں گے، کیونکہ انہیں شیعوں کے عقیدہ سے عاری افراد سے کوئی خطرہ نہیں تھا بلکہ وہ شیعوں کے عقیدہ کو اپنے لئے خطرہ محسوس کرتے تھے۔اس مقصد کی خاطر انہوں نے ریسرچ کی کہ وہ کونسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے شیعوں کا عقیدہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود بھی مضبوط ہے۔ان کی ریسرچ کے مطابق عزاداری امام حسینؑ اور فقہائے مکتب اہل بیتؑ دو ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے کبھی بھی شیعوں کا عقیدہ متزلزل ہونے نہیں دیا، ان دو بنیادی چیزوں نے حقیقی اسلام کی ہمیشہ حفاظت کی اور دشمنان اسلام کی کسی مذموم سازش کو کامیاب ہونے نہیں دیا۔اب دشمن کی یہی کوشش ہے کہ آہستہ آہستہ

ان دونوں چیزوں کو مشکوک بنایا جائے تا کہ ایک ایسا وقت آئے جب شیعوں کا اعتبار ہر مستند اور قابل اعتبار چیز سے اٹھ جائے اور دین اسلام کی روح خود بخود ختم ہو جائے کیونکہ جب بنیادی چیزیں مخدوش ہو جاتی ہیں تو پھر باقی چیزوں کے مشکوک ہونے میں دیر نہیں لگتی، لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے، انہیں اپنے مذموم مقاصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوگی اور ہمیشہ اسلام کا پرچم سربلند رہے گا۔ جس مذہب کا پرچار خدا کرنا چاہے اس مذہب کو فرعون و نمرود کے پیروکار کبھی سرنگوں نہیں کر سکتے۔ اسلام کی سربلندی اور حفاظت کی ذمہ داری خدا نے لی ہے اور دین اسلام کی سربلندی کا وعدہ خدا نے کیا ہے: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے پھونک مار کر خدا کے نور کو بجھا دیں اور خدا اس کے سوا کچھ مانتا ہی نہیں کہ اپنے نور کو پورا کر کے ہی رہے اگر چہ کفار برا مانا کریں، وہی تو وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس (اسلام) کو تمام ادیان پر غالب کرے اگر چہ مشرکین برا مانا کریں۔(۱)

والسلام

الاحقر

رضا علی عابدی اینگوتی

.....

۱۔ سورہ توبہ آیت ۳۲، ۳۳

عرض ناشر

ہر عقلمند انسان چاہے گا کہ درست زندگی گزارے تا کہ اس زندگی کا درست اور پُر ثمر نتیجہ ملے۔ درست زندگی گزار کر درست نتیجے لینے کے لیے انسان کو معرفت اور شناخت کی ضرورت ہے۔ ہر انسان کو اپنی زندگی ہر صورت میں گزارنی ہے، اسے جب تک زندہ ہے زندگی کا سفر جاری رکھنا ہے۔ پروردگار عالم کا ارشاد ہے: یَا اَیُّهَا الْاِنسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلَى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ، اے انسان! تو مشقت اٹھا کر اپنے رب کی طرف جانے والا ہے، پھر اس سے ملنے والا ہے۔(۱)

انسان کو اس زندگی کے اختتام پر دوسری منزل پر پہنچنا ہے، جہاں اسے اپنی گزاری ہوئی زندگی کا نتیجہ ملتا ہے۔ جس طرح سے زندگی گزاری ہے، اسی حساب سے نتیجہ ملے گا۔ اگر اللہ کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق زندگی گزاری ہے تو اس کا صلہ ملے گا اور اگر خدا کے فرامین سے انحراف کرتے ہوئے زندگی گزاری ہے تو اس کی سزا ملے گی۔ ایسا نہیں ہے کہ انسان اپنی زندگی گزارے لیکن اسے حساب و کتاب کا سامانا نہ کرنا پڑے، ایسا نہیں ہے کہ زندگی صرف یہی دنیوی زندگی ہے، یہیں پر یہ زندگی ختم اور اس زندگی کا کوئی نتیجہ اسے نہ ملے۔ جب زندگی کا نتیجہ ملنا یقینی و حتمی ہے چاہے وہ نعمت کی صورت میں ہو یا عذاب کی صورت میں، اس لئے ہر عقلمند انسان چاہے گا کہ خدا کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق زندگی گزارے تا کہ اس زندگی

.....

۱۔ سورہ انشقاق آیت ۶

کا درست اور پُرثمر نتیجہ ملے۔

درست زندگی گزار کر درست نتیجے لینے کے لئے انسان کو معرفت وشناخت کی ضرورت ہے۔اگر صحیح شناخت اور آگاہی حاصل ہو تو درست زندگی گزار سکے گا۔اس کے صلہ میں پُرثمر نتیجہ ملے گا۔

اور اگر صحیح آگاہی نہ ملے تو زندگی کو غلط انداز سے گزار کر برا نتیجہ حاصل کرے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ انسان صحیح شناخت ومعرفت وآگاہی حاصل کرنے کے لیے کیا کرے؟اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ انسان خود کوشش کرے اور علم وآگاہی ومعرفت وشناخت حاصل کرے۔یعنی پڑھے، لکھے اور تحقیق کرے اور راہ کو چاہ سے تشخیص دیکر زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھے تاکہ درست نتیجہ ملے۔اگر خود پڑھ لکھ کر، تحقیق نہیں کرسکتا، راہ کو چاہ سے درست تشخیص نہیں دے سکتا، تو پھر ایسی ہستی کی راہنمائی حاصل کرے جو زندگی کے راستوں کو گزارنے کا سلیقہ جانتا اور اس سلسلے میں اسپیشلسٹ ہو اور راہ کو چاہ سے درست تشخیص دے سکتا ہو۔اور پھر اس کے بتائے ہوئے زندگی کے اصول کے مطابق اپنی زندگی گزارے تاکہ صحیح منزل اور صحیح نتیجے تک پہنچ سکے۔

بنیادی طور پر ہونا تو یہ چاہیے کہ انسان خود اپنی زندگی کے تمام امور کے بارے میں متخصص (Expert) ہو لیکن یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان اپنی زندگی کے تمام امور کے بارے میں متخصص (Expert) ہو۔چونکہ زندگی کے امور اس حد تک وسیع ہیں کہ ایک انسان اپنی زندگی میں صرف ایک یا چند چیزوں کے بارے میں متخصص اور (Expert) ہوسکتا ہے۔مثلاً ایک انسان پڑھ لکھ کر امور زندگی میں سے صرف

اقتصادی امور کا ماہر ہوسکتا ہے۔ کچھ انسان صرف انسانی بدن کے ایک یا چند اعضاء کے بارے میں جان سکتے ہیں کہ ان کی ساخت کیا ہے؟ انکی بیماریاں اور انکا علاج کیا ہے؟ کچھ انسان صرف تعمیراتی امور میں ماہر ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ممکن ہی نہیں کہ ایک انسان تمام امور زندگی میں ماہر ہو۔ کھانے پینے، رہن سہن، لین دین، بیماریان، علاج معالجے، سیاسی، اجتماعی، انفرادی، جیسے تمام امور میں خود ماہر ہو۔

جب ایسا کرنا ہر انسان کے لیے ممکن نہیں ہے تو اب انسان کے پاس ایک اور فارمولا ہے جس پر عمل کر کے بہتر اور بامقصد زندگی گزار سکتا ہے۔ وہ یہ کہ زندگی کے جس شعبے میں اسے مہارت حاصل نہ ہو اس شعبے میں اسی شعبے کے ماہرین میں سے جس پر زیادہ اطمینان ہو، اسی کی راہنمائی حاصل کرے اور عمل کرے تا کہ زندگی کے اس شعبے میں وہ کامیاب ہو سکے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں سے زیادہ اہم وہ شعبہ ہے جس سے انسان کی آخرت سنورتی ہو اور اپنے اعمال کی بنا پر اسے جزا ملتی ہو اور وہ شعبہ ہے دین کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا۔ پس جو شخص خود دین کو سمجھ کر اس پر عمل نہیں کر سکتا اس کے پاس دو راستے بچتے ہیں: ایک یہ کہ کیونکہ اسے نہیں معلوم اس لئے وہ کسی بھی عمل کو انجام نہ دے۔ دوسرا یہ کہ جو جانتا ہے اس سے راہنمائی لیتے ہوئے اپنے اعمال کو بجالائے۔ پہلے طریقہ پر کوئی بھی عقل و شعور رکھنے والا شخص عمل نہیں کرے گا۔ جبکہ دوسرا طریقہ وہ ہے جس پر وہ اپنی زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی عمل کرتا ہے۔ لہٰذا عقل مندی اسی میں ہے کہ ماہر علوم دینی کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرے۔ اسی روش کو ''تقلید'' کہتے ہیں۔ تقلید کی ضرورت سے کوئی بھی صاحب فہم و شعور انکار نہیں کر سکتا۔ اسی لئے

ہمیں چاہیے کہ اپنے اعمال کو درست طریقے سے انجام دینے کے لئے مجتہدین کی طرف رجوع کریں اور ان کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کریں۔

ہم تقلید کی مخالفت کرنے والے لوگوں کی بات سمجھنے سے قاصر ہیں کیونکہ جب انسان خود علوم دینی میں ماہر نہیں ہے تو اس کے پاس دوسرا کونسا راستہ رہ جاتا ہے جس پر چل کر وہ اپنے اعمال کو بجا لائے اور تقلید سے بے نیاز ہو جائے۔ کچھ لوگ بڑی میٹھی زبان میں بے چارے کم علم افراد کو بہکا رہے ہیں اور ''اجتہاد اور تقلید'' پر مختلف قسم کے اعتراضات کرتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قوم کے معصوم نوجوانوں اور سادہ دل لوگوں کو ایسے لوگوں کی گمراہ کرنے والی سازشوں سے بچایا جائے۔ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا رضا علی عابدی قمی صاحب نے ''اجتہاد اور تقلید پر ایک تحقیقی نظر'' ڈالی ہے۔ خدا ان کی توفیقات میں اضافہ کرے اور آئندہ بھی دین اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہر خاص وعام کے لئے اس کتاب کے اندر موجود افادیت کو دیکھتے ہوئے زادِراہ ٹرسٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے نشر کیا جائے۔ امید واثق ہے کہ ان کی یہ کاوش قوم کے باشعور افراد کے لئے ایک عظیم تحفہ ثابت ہوگی۔ خدا ہمیں دین حقہ کو صحیح انداز سے سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔

محمد رضا مرچنٹ

مدیر و بانی زادِراہ ٹرسٹ

کراچی پاکستان

تقریظ

از: مولانا نذر الحسنین محمدی دامت برکاتہٗ

مُبَسَّلًا وَحَامِدًا وَمُصَلِّیًا ..... !

محترم قاری..... !

یہ کتاب جسے آپ پڑھنا شروع کر رہے ہیں، یعنی ''اجتہاد و تقلید پر ایک تحقیقی نظر''۔ مجھے اس مسوّدے کو بہت گہری نظر سے دیکھنے کا موقع ملا۔۔۔!

اس کتاب کی ضرورت کافی عرصے سے بڑی شدّت سے محسوس ہو رہی تھی کہ (پاکستان اور باقی مسلم دنیا میں بھی) مسلمانوں کے ذہنوں میں اجتہاد و تقلید کے مفاہیم و مطالب کے بارے میں خاصا الجھاؤ ہے اور اس کے سلجھاؤ کی ضرورت کو حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا رضا علی عابدی دامت توفیقاتہ نے محسوس کیا اور ''اجتہاد اور تقلید پر ایک تحقیقی نظر'' تالیف کر کے موضوع پر ہر پہلو سے اس طرح روشنی ڈالی کہ ہر نکتے کا تفصیلاً اور باریک بینی سے جائزہ لیا اور اُن کی تحقیقی نظر کی روشنی سے موضوع کا ہر کونا، گوشہ اور زاویہ واضح اور روشن ہو گیا۔۔۔!

گر نہ بیند بہ روز شب پرہ چشم۔۔۔

چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔۔۔!

(اگر چمگادڑ کی آنکھ دن کو نہ دیکھے تو اس میں چشمہ آفتاب کا کیا قصور!)

وہ لوگ جو اجتہاد و تقلید کے بارے میں لاعلمی، کم علمی یا کج فہمی کا شکار ہیں اب اُن کو اُن کے ہو سوال کا جواب اس لائق مطالعہ کتاب میں مل جائے گا۔۔۔! انشاءاللہ تعالیٰ!

بھر پور مبارکباد کے مستحق ہیں جناب محترم ومکرّم محمد رضا مرچنٹ صاحب بالقابہ اور ان کے ساتھی جنہوں نے اس کتاب کو شائع کرنے کا بیڑا اُٹھایا اور اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے زادِ آخرت کے جمع جتھا بوجھ اور بار میں قابل قدر اضافہ کر لیا اور چہادہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی شفاعت کو اپنا نصیب قرار دیا۔۔۔!

اور اب آخر میں۔۔۔!

جناب مولانا رضا علی عابدی صاحب کے لئے کہ بہ طفیل محمد وآل محمد علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ اُن کی زندگی مسرّتوں سے ہمکنار رکھے! اور ان کی قلمی نگارشات کے سلسلے کو یوں ہی مسلسل جاری وساری اور قائم ودائم رکھے!۔

این دعا از من واز جملہ جہاں، آمین باد۔۔۔!

گدائے درِ شہر علم

نذر الحسنین محمدی اعتماد العلماء

تقلید واجتہاد کے معنیٰ

تقلید لفظ ''قلادۃ'' سے لیا گیا ہے، اور قلادۃ کے معنی ہیں گلے میں ہار ڈالنا، گلو بند باندھ لینا، مالا پہن کر گردن سجانا۔ اَلْقَلَادَۃُ مَا جُعِلَ فِی الْعُنُقِ، جو چیز گلے میں ڈالی جائے یا پہنائی جائے اسے قلادہ کہتے ہیں، اسی طرح کسی کے نقش قدم پر چلنے یا کسی کی نقالی کرنے کو بھی تقلید کہتے ہیں، اس کے علاوہ گلے میں تلوار لٹکانا، کسی کے ذمہ کام مقرر کرنا، کسی معاملے میں غور وفکر کئے بغیر کسی کی پیروی کرنا، ان تمام معانی پر تقلید صادق آتا ہے۔ حدیث غدیر اور خلافت علیؑ کے بارے میں کتابوں میں موجود ہے کہ قَلَّدَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیًّا، یعنی پیغمبرؐ نے خلافت کے گلو بند کو علیؑ کے گلے میں ڈال دیا۔

آخوند خراسانی فرماتے ہیں: ثُمَّ اِنَّہٗ لَا یَذْھَبُ عَلَیْکَ اَنَّ جَوَازَ التَّقْلِیْدِ وَرُجُوْعَ الْجَاھِلِ اِلَی الْعَالِمِ فِی الْجُمْلَۃِ یَکُوْنُ بَدِیْھِیًّا جِبِلِّیًّا فِطْرِیًّا لَا یَحْتَاجُ اِلَی دَلِیْلٍ، یہ بات آپ پر مخفی نہ رہے کہ تقلید کا جائز ہونا اور جاہل کا عالم کی طرف رجوع کرنا فی الجملۃ بدیہی امور میں سے ہے یعنی کسی دلیل کی طرف محتاج نہیں ہے اور یہ چیز انسان کی فطرت اور جبلت میں شامل ہے لہٰذا اس کے اثبات کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔(۱)

امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہے کہ: لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ عَمَلًا اِلَّا بِمَعْرِفَۃٍ، خدا معرفت کے بغیر انجام دیا ہوا عمل قبول نہیں کرتا۔(۲)

.....

۱۔ کفایۃ الاصول ص ۴۷۲ ۲۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۵

امام صادقؑ کے سامنے کسی اعرابی نے ربیعہ سے کوئی مسئلہ پوچھا، ربیعہ نے اس کا جواب دے دیا، اس کے فوراً بعد اعرابی نے ایک سوال پوچھا کہ کیا تم اس جواب کو اپنی گردن پر لیتے ہو یعنی کیا اس کی ذمہ داری قبول کرتے ہو، ربیعہ خاموش رہا، اعرابی نے دوبارہ پوچھا کہ کیا تم اس جواب کو اپنی گردن پر لیتے ہو، ربیعہ پھر بھی خاموش رہا، امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: هُوَ فِيْ عُنُقِهٖ، ہاں یہ اس کی گردن پر ہے، اس کے بعد امامؑ نے ایک اور جملہ ارشاد فرمایا: وَكُلُّ مُفْتٍ ضَامِنٌ، یعنی ہر مفتی اپنے فتوے کا ضامن ہے۔(۱)

اصطلاحِ فقہی میں تقلید کے معنی یہ ہیں کہ مجتہد اعلم مسائل شرعی میں جو فتوی دے عام آدمی اس پر عمل کرے۔ اسے ان مسائل میں اپنی مرضی چلانے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے کیونکہ خدا اور رسول اور ائمہ کی جانب سے عام آدمی کا وظیفہ یہ معین ہوا ہے کہ وہ مجتہد کے بتائے ہوئے فتویٰ پر عمل کرے اور جس چیز کا تقاضا خدا، رسول اور امام کرے مومن کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس سے منہ موڑے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ، جب خدا اور اس کا رسول کسی چیز کا تقاضا کریں تو کسی مؤمن اور مؤمنہ کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اس کام میں اپنی مرضی چلائیں۔(۲)

اور اجتہاد کو ''الجَهد، الجُهد'' سے اخذ کیا گیا ہے اور اس کے معنی کسی امر میں کوشش کرنا، کسی کام میں اپنی پوری طاقت خرچ کرنا، مشقت کو برداشت کرنا، سختیاں برداشت کرنا ہے۔ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: الجَهد والجُهد : الطاقة والمشقّة

.....

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۲۷ ص ۲۲۰ ۲۔ سورہ احزاب آیت ۳۶

.....وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :"وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ " اَیْ حَلَفُوْا وَاجْتَھَدُوْا فِی الْحَلْفِ اَنْ یَّأْتُوْا بِہٖ عَلٰی اَبْلَغِ مَا فِیْ وُسْعِھِمْ وَالْاِجْتِھَادُ اَخْذُ النَّفْسِ بِبَذْلِ الطَّاقَۃِ وَتَحَمُّلِ الْمَشَقَّۃِ .....وَالْجِھَادُ وَالْمُجَاھَدَۃُ اِسْتِفْرَاغُ الْوُسْعِ فِیْ مُدَافَعَۃِ الْعَدُوِّ۔ جَھد وجُھد ؛طاقت ،قدرت ،مشقت اور سختی کے معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :انہوں نے قسم کھائی اور کوشش کی کہ اپنی قسم کو پوری طاقت اور سختی کے ساتھ پورا کریں۔(۱)

نفس کسی کام کو اپنی طاقت خرچ کر کے اور مشقت کو برداشت کر کے اپنے ذمہ میں لے تو اسے اجتہاد کہتے ہیں اور اپنی ساری طاقت کو دشمن کے مقابلے میں خرچ کرنے کو جہاد ومجاہدہ کہتے ہیں۔(۲)

ابن منظور لکھتے ہیں :الجَھد والجُھد الطاقۃ ،جَہد اور جُہد طاقت اور قدرت کے معنی میں ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے :''وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُھْدَھُمْ '' وہ لوگ جو صرف اپنی مشقت کی مزدوری پاتے ہیں۔(۳) اور ابن منظور، فرّا سے نقل کرتا ہے :اَلْجُھْدُ فِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ الطَّاقَۃُ ،تَقُوْلُ :ھٰذَا جُھْدِیْ اَیْ طَاقَتِیْ ، جہد اس آیہ میں طاقت اور قدرت کے معنی میں آیا ہے ،جیسا کہ آپ کہتے ہیں :ھٰذَا جُھْدِیْ یعنی یہ میری طاقت اور قدرت ہے اور ابن منظور، ابن عرفہ سے نقل کرتا ہے : اَلْجُھْدُ بِضَمِّ الْمِیْمِ اَلْوُسْعُ وَالطَّاقَۃُ وَالْجَھْدُ اَلْمُبَالَغَۃُ النِّھَایَۃُ ، جُہد قدرت اور

.....

۱۔سورہ مائدہ آیت ۵۳ ۲۔المفردات فی غریب القرآن ص ۱۰۱

۳۔سورہ توبہ آیت ۷۹

طاقت کے معنی میں ہے اور جَہد مبالغہ اور انتہاء کے معنی بھی میں ہے۔ اس کے بعد لکھتا ہے: اَلْاِجْتِهَادُ وَالتَّجَاهُدُ بَذْلُ الْوُسْعِ وَالْمَجْهُوْدِ، اجتہاد اور تجاہد اپنی طاقت اور قدرت کو خرچ کرنے کا نام ہے، وَالْاِجْتِهَادُ هُوَ افْتِعَالٌ مِنَ الْجُهْدِ، اجتہاد جُہد سے باب افتعال کا مصدر ہے۔(۱)

فقہی اصطلاح میں احکام شرعی تک پہنچنے اور ان کو منابع اصلی سے استنباط کرنے کے لئے انتہائی کوشش کرنے کو اجتہاد کہتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص احکام شرعی کو ان کے منابع اصلی سے استنباط کرتا ہے اور اس عمل میں بہت ساری مشقتوں اور زحمتوں کو برداشت کرتا ہے اسے اس لحاظ سے مجتہد کہتے ہیں اور ان احکامات کو اَدِلّہ اربعہ یعنی قرآن، سنت، اجماع اور عقل کے ذریعے حاصل کرتا ہے اس لحاظ سے اسے فقیہ کہتے ہیں، یعنی ان اَدِلّہ کو سمجھنے کے بعد ان سے احکام شرعی اخذ کرتا ہے۔

قرآن وسنت سے استنباط کر کے احکام شرعی کو اخذ کرنے والے کو جس طرح مجتہد کہا جاتا ہے اسی طرح اسے فقیہ بھی کہا جاتا ہے۔

تفقہ کا مادہ فقہ سے ہے، فقہ کے معنی مطلق سمجھنے کے نہیں ہیں بلکہ کامل بصیرت حاصل کرنے اور کسی چیز کی حقیقت تک پہنچنے کو فقہ کہتے ہیں۔ راغب اصفہانی مفردات القرآن میں کہتا ہے: اَلْفِقْهُ هُوَ التَّوَصُّلُ اِلٰى عِلْمِ غَائِبٍ بِعِلْمِ شَاهِدٍ، یعنی فقہ کے معنی معلوم کے ذریعے نامعلوم کی دریافت کرنا ہے۔ فقہ کی تعریف اس نے اس طرح کی ہے: تَفَقَّهَ اِذَا طَلَبَهُ فَتَخَصَّصَ بِهٖ، یعنی تفقہ پیدا کرنے کا مطلب ہے کسی چیز کو دریافت کرنا اور اس میں تخصص پیدا کرنا۔ مجتہد کو فقیہ اسی لئے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ قرآن وسنت میں موجود الفاظ کے معانی کو سمجھ کر ان سے حکم شرعی اخذ کرتا ہے۔

.....

۱۔ لسان العرب ج ۳ ص ۱۳۳، ۱۳۵

تقلید کیوں ضروری ہے؟

انسان جب اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو اسے کسی چیز کا بھی علم نہیں ہوتا، مجبوراً اسے دوسروں کے تجربے اور دوسروں کے علم سے استفادہ کرنا پڑتا ہے کیونکہ انسان زندگی کے نشیب وفراز میں ہر قدم پر علم اور دانش کی طرف شدید محتاج رہتا ہے۔

بنیادی طور پر زندگی دو محکم ستونوں پر استوار ہوتی ہے اور وہ ہیں ''جاننا یعنی علم حاصل کرنا'' اور ''عمل کرنا''۔ عمل کرنا بھی علم پر موقوف ہے اسی لئے زندگی کا پہلا قدم علم سے شروع ہوتا ہے۔

یہ وہ مرحلہ ہے جہاں انسان کی صلاحیتیں اس کی مدد کرتی ہیں، راہ ورسم زندگی اور کمال اور سعادت کے دروازے اس پر کھول دیتی ہیں اور صلاحیت کو ''اقتباس'' اور ''تقلید'' کہتے ہیں۔ ہم سب یہ جانتے ہیں کہ بچہ اسی صلاحیت (تقلید) کے بدولت آہستہ آہستہ باتیں کرنا شروع کرتا ہے اور اٹھنے بیٹھنے کے سلیقے کو ماں باپ سے سیکھتا ہے اور ہر روز زندگی کے مراحل میں سے ایک مرحلہ طے کرتا ہے اور جتنا بڑا ہوتا جاتا ہے دوسروں کے افکار اور علم کو اخذ کرتا جاتا ہے اور ان کی پیروی کرنے میں زیادہ توجہ حاصل کرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ موجودات عالم سے آشنا ہوجاتا ہے اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔

لیکن یہاں پر ایک بنیادی نکتہ، جس کی طرف توجہ دینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ دوسروں کے افکار اور روش کی مکمل طور پر تقلید کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ تقلید کی کچھ اقسام ہیں۔

۱۔ جاہل کا جاہل کی تقلید کرنا:

یہ واضح اور روشن ہے کہ اس قسم کی تقلید نہ صرف انسان کو زندگی میں سعادت نہیں پہنچاتی بلکہ اسے بدبختی کی طرف لے جاتی ہے، لیکن بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں ایسے افراد موجود ہیں جو دوسروں کی اندھی تقلید کرتے ہیں اور سوچے سمجھے بغیر دوسری اقوام عالم کی تقلید کرتے ہیں، اس کے علاوہ لباس پہننے، کھانے، نام رکھنے..... میں دوسروں کی تقلید کرتے ہیں۔ منکرات کی اشاعت، عقیدہ و اخلاق میں مختلف فریب دینے والے نعروں کے جال میں پھنس کر ان کی اندھی تقلید کرتے ہیں جبکہ اس قسم کی تقلید کے مفاسد اور قباحتیں معلوم ہیں۔ قرآن مجید میں بھی اس قسم کی تقلید کی مذمت میں مختلف آیات موجود ہیں، ان آیات میں سے ایک آیت یہ ہے کہ جب خدا کے پیغمبر بت پرستی کرنے پر مشرکین کی مذمت کرتے تھے تو وہ ان کے اعتراض کے مقابلے میں جواب دیتے تھے: اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾، ہم نے اپنے باپ دادا کو اس آئین پر عمل کرتے ہوئے پایا ہے اور ہم ان کے آثار کی اقتدا و پیروی کرتے ہیں۔(۱)

قرآن مجید نے شدت سے اس منطق کی مذمت کی ہے اور ان لوگوں کی سرزنش کی ہے۔

۲۔ عالم کا جاہل کی تقلید کرنا:

یہ واضح اور روشن ہے کہ اس قسم کی تقلید پہلی قسم سے بھی بدتر اور خطرناک ہے کیونکہ عالم کو چاہیے کہ اپنے علم اور دانش کے مطابق قدم اٹھائے تاکہ اپنی ذمہ

.....

۱۔ سورہ زخرف آیت ۲۳

داری پر عمل کر سکے اور تقلید کی یہ قسم تقلید کی تمام اقسام میں پست ترین قسم ہے کہ ایک عالم شخص زندگی میں اپنی معلومات سے استفادہ نہ کرے اور اندھا دھند دوسروں کی تقلید کرتا پھرے۔

۳۔ عالم کا عالم کی تقلید کرنا:

یہ بات مسلم ہے کہ عالم جس موضوع میں اچھی طرح تحقیق کر چکا ہو اسے اسی موضوع میں اپنے ہم پلہ کسی عالم کی تقلید نہیں کرنی چاہیے بلکہ اسے اپنی تحقیق پر عمل کرنا چاہیے۔ اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ: جو شخص اجتہاد کے درجہ تک پہنچ چکا ہو اسے اپنے اجتہاد پر عمل کرنا چاہیے، مجتہدین کی طرف سے اجتہاد کے ''اجازت نامے'' میں معمولاً یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ''یَحْرُمُ عَلَیْہِ التَّقْلِیْدُ، اس کے لئے تقلید کرنا حرام ہے'' اور اپنے نظریہ کے مطابق عمل کرنا چاہیے، البتہ یہ بات علمی مسائل میں دوسرے دانشوروں سے مشورہ کرنے اور ایک دوسرے کے نظریے کو جاننے سے منافات نہیں رکھتی بلکہ مقصد یہ ہے کہ عالم کو استقلال کے ساتھ اپنے نظریہ پر عمل کرنا چاہیے اور مطالعہ کے بغیر دوسروں کے نظریات پر عمل نہ کرے۔

۴۔ جاہل کا عالم کی تقلید کرنا:

اس قسم کی تقلید کو صحیح منطق اور عقل وفطرت مانتی ہے، اسی منطق اور فطرت کی وجہ سے ہم گھر کی تعمیر کے لئے مزدور، لباس سلوانے کے لئے درزی اور بیماری کے وقت ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں خلاصہ یہ کہ عقل اور فطرت ہمیں اس کام کے ماہر کے پاس جانے کا حکم دیتی ہے۔

یہی منطق لوگوں کو تعلیمات دینی اور قوانین الٰہی میں ان فقہاء کی پیروی پر

ابھارتی ہے جو احکام الٰہی کی تشخیص میں مہارت رکھتے ہیں۔ فقہاء کئی سال اپنی استعداد کامل کے ساتھ علم اور دانش کی راہ پر مصروف عمل رہتے ہیں جس کی بدولت وہ اجتہاد کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں، یعنی قوانین الٰہی کو ان کے اصلی مدارک سے استخراج اور استنباط کرتے ہیں اور انہیں لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، فقہاء اور مجتہدین لوگوں کے رہبر اور راہنما ہیں اور اسلام کے حقیقی پیشوا اور رہبر کی طرف سے انہیں یہ عظیم منصب عطا کیا گیا ہے تا کہ لوگوں کو تمام دینی معاملات میں راہِ سعادت پر چلنے کی رہنمائی کریں۔

اس بات سے غفلت نہیں برتنی چاہیے کہ علوم بشری میں مختلف شعبے ہیں اور یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی ایک شعبہ میں مکمل مہارت رکھتا ہو لیکن دوسرے شعبہ سے بالکل جاہل ہو، لہٰذا اسے چاہیے کہ جس شعبہ میں اسے مہارت حاصل نہیں ہے کسی ایسے آدمی کی طرف رجوع کرے جو اس شعبہ میں مہارت رکھتا ہو مثلاً ایک ڈاکٹر یا انجنیئر جو اپنے شعبہ میں مکمل مہارت رکھتا ہے اگر کسی شہر میں وارد ہو جائے اور وہ چاہتا ہے کہ ایک خاص گلی تک جائے لیکن اسے اس گلی کے بارے میں علم نہ ہو تو اسے مجبوراً کسی سے معلوم کرنا پڑے گا تا کہ منزل مقصود تک پہنچ سکے یا اگر کوئی شخص فضائی علوم میں مہارت رکھتا ہو اور وہ مریض ہو جائے تو اسے مجبوراً کسی ڈاکٹر کے پاس جانا پڑے گا، اگر چہ یہ شخص فضائی علوم میں مہارت رکھتا ہے لیکن اسے بیماری اور علاج کے طریقہ کار سے آشنائی حاصل نہیں ہے لہٰذا اسے ڈاکٹر سے رجوع کرنا پڑے گا۔

ان دو مثالوں کو مدنظر رکھتے ہوئے واضح ہو جاتا ہے کہ لوگوں کو مجتہد کی پیروی کیوں کرنی چاہیے کیونکہ ایک فقیہ اپنے شعبہ میں ماہر ہوتا ہے، وہ اجتہاد کے لئے لازم کئی علوم مثلاً صرف، نحو، لغت، کلام، منطق، تفسیر، رجال، درایہ، حدیث اور اصول فقہ

وغیرہ میں مہارت رکھتا ہے۔

آپ رسالہ عملیہ کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب دیکھتے ہیں لیکن شاید یہ معلوم نہیں ہے کہ رسالہ ایک مجتہد کی پوری عمر کا حاصل ہے جسے اس فقیہ نے اپنی ساری زحمتوں اور خون دل سے تالیف و تیار کیا ہے اور لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ اجتہاد کوئی آسان کام نہیں ہے ، اجتہاد یعنی تمام قوانین الٰہی سے مکمل آگاہی...... تمام قوانین الٰہی سے آگاہی انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بہت مؤثر دخل رکھتی ہے۔

شیخ مرتضٰی انصاری جو ایک عالی مقام مجتہد اور فخر اسلام تھے اور جنہوں نے نشیب وفراز سے بھر پور راہ اجتہاد کو بہت جانفشانی سے طے کیا تھا، اپنی کتاب رسائل میں فرماتے ہیں ”: رَزَقَنَا اللهُ الْاِجْتِهَادَ الَّذِیْ هُوَ اَشَدُّ مِنْ طُوْلِ الْجِهَادِ، خداوندا! ہمیں اجتہاد کی توفیق دے جو دائمی جاری رہنے والے جہاد سے بھی زیادہ شدید اور پر زحمت ہے۔“

البتہ اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ مجتہد کے دستور پر عمل کرنا صرف فروعات فقہی اور احکام عملی اسلام کے ساتھ مخصوص ہے نہ مسائل اعتقادی واصول دین میں بالفاظ دیگر تقلید اور مجتہد کی پیروی صرف فروع دین میں ہے، اصول دین میں نہیں کیونکہ مسائل اصولی جیسے خدا کی معرفت اور پیغمبروں کی شناخت، دین کی جڑیں شمار ہوتی ہیں اور ان چیزوں کو حتماً دلیل اور منطق سے جاننا چاہیے۔ ان اصولوں کو دلیل اور منطق سے جاننے کے بعد مسائل فروعی میں مجتہدین کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ وہ ان مسائل میں ماہر ہیں اور مسائل فروعی کو ان کے منابع ومدارک (جیسے قرآن وحدیث) سے سمجھنا مختلف علوم سے آشنائی اور مہارت پر منحصر ہے۔

اسی طرح مسائل قطعی اور مسلّمات اسلامی جیسے نماز، حج، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا واجب ہونا اور جھوٹ، خیانت، شراب، قمار کا حرام ہونا، ان طے شدہ اور تسلیم شدہ امور میں مجتہدین کی پیروی نہیں کی جاتی کیونکہ ان مسائل کے واجب یا حرام ہونے کے بارے میں سب جانتے ہیں اور ان میں تقلید کرنے کی ضروت ہی نہیں ہے لہٰذا تقلید کرنا احکام فرعی غیر قطعی میں ہی منحصر ہے۔

انسان کے ذہن میں ایک سوال ہمیشہ ابھرتا ہے کہ کیا کسی کی تقلید کئے بغیر وہ زندگی نہیں گزار سکتا؟ آخر اجتہاد کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی ہے؟ غور وفکر کر کے الگ سے کوئی فیصلہ کرنا کیوں ضروری ہے؟ کیا قرآن نے سب کچھ صاف صاف بیان نہیں کیا ہے؟ جبکہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُبِيْنٍ، کوئی خشک اور تر چیز نہیں جس کا ذکر اس کتاب مبین میں نہ ہو۔(۱) دوسرے مقام میں ارشاد ہوتا ہے: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ، ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے۔(۲) اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک قرآن نے سب کچھ صاف صاف بیان کر دیا ہے مگر اس طرح نہیں کہ انسان کی غور وفکر کر کے فیصلہ کرنے والی صلاحیت اور طاقت معطل ہو جائے، خدا انسان کو کمپیوٹر نہیں بنانا چاہتا بلکہ چاہتا ہے کہ انسان، ایک انسان کی طرح زندگی گزارے۔ فرشتوں اور بنی نوع انسان میں یہی تو فرق ہے کہ فرشتے صرف اتنا جانتے ہیں جتنا انہیں علم دے دیا گیا ہے: قَالُوْا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ

.....

۱۔ سورہ انعام آیت ۵۹ ۲۔ سورہ النحل آیت ۸۹

لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا، پروردگار! ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں علم دیا ہے، (۱) مگر انسان جتنا جانتا ہے غور وفکر کرنے کی وجہ سے اس سے زیادہ جاننے لگتا ہے۔ قرآن وحدیث نے سب کچھ تفصیل سے بیان کر دیا ہے لیکن بیان کرتے ہوئے انسان کی مجتہدانہ صلاحیتوں کو بھی مدنظر رکھا ہے، یعنی یہ تفصیل ہر عام وخاص کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف غور وفکر کرنے والوں کے لئے ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ، عقل مندوں کے لئے ہم اپنی نشانیوں کو صاف صاف بیان کرتے ہیں۔ (۲) دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ، ہم نے صاحبان فہم کے لئے تمام نشانیوں کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ (۳)

حقیقت یہ ہے کہ پیغام ہو یا خبر، امر ہو یا نہی ایک ذہن سے دوسرے ذہن تک پہنچنے کا سب سے بڑا ذریعہ الفاظ ہیں۔ خیالات اور افکار کو دوسروں تک منتقل کرنے کے لئے الفاظ کا سہارا لیا جاتا ہے اور قرآن وحدیث نے بھی پیغام رسانی کے لئے انہی الفاظ کو ذریعہ بنایا ہے، لیکن الفاظ مفاہیم اور معانی کو اپنے ساتھ لیکر نہیں چلتے بلکہ مفہوم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کسی لفظ کے مفہوم تک پہنچنے کے لئے سماعت سے زیادہ بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے اور لغت سے زیادہ ذہانت کام آتی ہے، سننے والا سیاق وسباق کا سہارا لیکر، حالات کے پس منظر میں، حالات کے تناظر میں پیغام دینے والے کے مزاج وکردار کی روشنی میں الفاظ کو ذریعہ بنا کر مفہوم تک پہنچتا ہے۔ بولنے والا الفاظ

۱۔ سورہ بقرہ آیت ۳۲

۲۔ سورہ روم آیت ۲۸ ۳۔ سورہ انعام آیت ۹۸

کے ساتھ ساتھ جسم کی حرکات، ہاتھوں کے اشارے، گردن کی جنبش، آنکھوں کی گردش، چہرے کے اتار چڑھاؤ، آواز کی تندی و تیزی اور اُس کی گرمی و نرمی سے تفہیم کو آسان بنا دیتا ہے مگر تحریر میں یہ آسانی بھی فراہم نہیں ہوسکتی۔

دنیا میں کوئی ایسا جملہ ادا نہیں کیا جاسکتا جس کو سننے والا یا پڑھنے والا بغیر غور وفکر کئے ہوئے، بغیر سیاق وسباق کو سمجھے ہوئے اس کے مفہوم تک رسائی حاصل کر سکے۔

جو باتیں ذکر ہوئیں انتہائی آسان جملوں کے بارے میں ہیں، آسان جملوں کو سمجھنے کے لئے جب اتنی مشکلات پیش آتی ہیں تو جہاں الفاظ پیچیدہ ہوں، الفاظ کے متعدد معانی ہوں، جن الفاظ کا مطلب علم بیان میں کچھ اور ہے، دنیائے فلسفہ میں کچھ اور، شعر وادب کی محفل میں جب استعمال کئے جاتے ہیں تو ان کا مطلب کچھ اور سمجھا جاتا ہے، ڈاکٹر جب بولتے ہیں تو کچھ اور معانی نکلتے ہیں، یہی الفاظ کبھی اپنے لغوی معانی میں استعمال کئے جاتے ہیں تو کبھی ان معانی لغویہ سے منقول ہوکر معانی اصطلاحی میں استعمال ہوتے ہیں، کبھی بطور صریح، کبھی بطور علامت اور کبھی بطور کنایہ۔ اب کیسے ممکن ہے کہ انسان ایسے فقروں کو ان کے متعلقات کا علم حاصل کئے بغیر اور غور وفکر کئے بغیر ہی سمجھ لے مثلاً قرآن نے نماز کے لئے وضو کا حکم دیا ہے ہم سب کو اس کا علم ہے، اس نے وضو کا طریقہ بھی بتادیا ہے کہ چہرہ اور ہاتھوں کو دھولو، سر اور پاؤں کا مسح کرو مگر جب ایک مومن وضو کرنا چاہتا ہے تو بہت سے سوالات اس کے ذہن میں آجاتے ہیں، ان سوالات کا جواب کون دے گا؟ یعنی ہاتھ دھوئیں تو کیسے؟ اوپر سے نیچے کی طرف یا نیچے سے اوپر کی طرف دھوئیں؟ اتنا دھوئیں کہ پانی ٹپکنے لگے یا نم ہوجانا کافی ہے؟ کیا وضو کے پانی میں خوشبو ملا سکتے ہیں؟ سر کا مسح کریں تو پورے سر کا کریں یا آدھے سر کا؟ پیچھے سے آگے کی

طرف مسح کریں یا آگے سے پیچھے کی طرف؟ صرف بالوں کے اوپر والے حصہ کو تر کرنا کافی ہے یا بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچنا ضروری ہے؟ اس کے علاوہ اور بہت سے سوال ہیں، انسان اگر تقلید نہ کرے تو ان سوالوں کا جواب کیسے حاصل کرے؟۔

ذرا غور کریں کہ ایک آدمی کے سامنے مسائل کا ایک وسیع وعریض سلسلہ شروع ہوتا ہے جو جواب کا تقاضا کرتا ہے جبکہ ابھی تو صرف وضو کا مسئلہ ہے، عبادت کی پہلی منزل ہے اس کے بعد نماز ہے، روزہ ہے حج ہے زکوٰۃ ہے جن کا حکم ہمیں معلوم ہے مگر طریقہ کار ہزاروں سولوں کے جواب مانگ رہا ہے۔ اس شخص کو ان تمام سوالوں کے جواب چاہئیں لیکن ہر جواب سے وہ مطمئن نہیں ہوتا بلکہ جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں معلوم کرنا چاہتا ہے، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ احکام الٰہی معلوم کرنے کے لئے صرف دو ہی مراکز اور دو ہی مدرک ہیں، ایک قرآن اور دوسرا حدیث معصومؑ، اس کے برعکس یعنی قرآن وحدیث سے حاصل نہ کیا ہوا حکم، اطاعت الٰہی نہیں بلکہ نفس کی پیروی، جہالت کی پیروی، اور شیطان کی پیروی کے مترادف ہے۔

اب قرآن وحدیث سے مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لئے اجتہاد کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے، ایک مجتہد کی پہلی منزل قرآن ہے، مگر قرآن سے استنباط کی صلاحیت اس وقت پیدا ہوگی جب عربی زبان وادب، صرف ونحو اور تفسیر وتاریخ کے علوم پر دسترس حاصل ہو۔ اس کے بعد حدیث کی منزل آتی ہے وہاں بھی ضروری ہے کہ رجال وسیرت، آثار وتاریخ اور زبان وادب کے علوم پر مکمل طور پر عبور حاصل ہو۔

اتنا سب پڑھنے کے بعد مجتہد اپنے قدم آگے بڑھاتا ہے، آیات کے ظواہر پر نظر ڈالتا ہے، اس کے بطون میں اترنے کی کوشش کرتا ہے، نزول آیات کا واقعاتی

پس منظر معلوم کرتا ہے، اس کے مصداقوں کا پتہ لگاتا ہے اور معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ حکم ہے یا رخصت، فوری ہے یا تراخی؟۔ پھر حکم کی جزئیات تک پہنچنے کے لئے یا حکم معلوم کرنے کے لئے مورد نظر حدیثیں تلاش کرتا ہے۔ اس منزل تک آنے کے بعد ہزاروں جھوٹی حدیثوں کے نرغے میں پھنس جاتا ہے اور ان میں سے صحیح حدیث کو تلاش کر کے نکالتا ہے۔ ان تمام مراحل کو طے کرنے کے بعد جا کر کوئی حکم حاصل ہو پاتا ہے جو یا حکم واقعی ہوتا ہے یا مکلف کو بری الذمہ کرنے کا کام دیتا ہے۔ اب ایسی صورتحال میں اگر کوئی مذکورہ علوم سے ناواقف شخص یہ ضد کرے کہ ہم تقلید کے بجائے تعلیم کے قائل ہیں، ہمیں مجتہد کا فیصلہ نہیں حقائق کا علم چاہیے تو یہ بالکل ویسا ہی ہے کہ کوئی شخص کئی منزلہ عمارت کی چھت پر چڑھنا چاہتا ہے اور کسی چیز کا سہارا بھی نہیں لینا چاہتا، اس شخص کے لئے کسی وسیلہ کے بغیر اس چھت پر جانا ناممکن ہے۔ احکام میں بھی اگر ہمیں حکمِ واقعی چاہیے تو مجتہد کے وسیلہ سے اس سفر کو طے کرنا پڑے گا بصورت دیگر راہنما کے بغیر راہ چلنے والے مسافر کی طرح ہو جائیں گے جو کسی بھی لمحہ غلط راستہ اختیار کرنے کی وجہ سے منزل کے قریب ہونے کے بجائے منزل سے دور ہوتا جاتا ہے۔

اجتہاد کا ذریعہ علم ہے مگر اجتہاد کا سبب علم نہیں بلکہ عدمِ علم یعنی لاعلمی ہے، اجتہاد وہاں ہوتا ہے جہاں علم نہیں ہوتا، جہاں علم ہے وہاں اجتہاد نہیں اور جب اجتہاد نہیں ہوگا تو تقلید بھی نہیں۔ واضح طور پر جو حکم قرآن وحدیث میں ہے وہ علم کے بارے میں ہے، جسے شرعی اصطلاح میں ''نص'' کہتے ہیں اور نص کے مقابلے میں اجتہاد حرام ہے اور جہاں اجتہاد حرام ہے وہاں تقلید بھی حرام ہے، یعنی خدا اور رسولؐ کے فیصلے کے

مقابلے میں فیصلہ کرنا کفر اور شرک ہے، اجتہاد کا عمل وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں علم کی حدیں تمام ہوتی ہیں، اسی لئے ہم معصومینؑ کو ''مجتہد'' نہیں کہہ سکتے کیونکہ انہیں احکام الٰہی کا مکمل علم تھا اور غور وفکر کر کے استنباط کی ضرورت ہی نہ تھی۔

قرآن وحدیث میں واضح طور پر جو احکام موجود ہیں ان کا علم حاصل کر کے آدمی عالم بن جاتا ہے مجتہد نہیں اور جب اپنی معلومات دوسروں تک پہنچاتا ہے تو اسے معلم کہتے ہیں مفتی نہیں۔ البتہ وہی عالم جب قرآن وحدیث سے حاصل کئے ہوئے علم کو ترتیب و تطبیق کے ذریعے اپنی یا دوسروں کی ان ذمہ داریوں کا پتہ لگاتا ہے جو بظاہر قرآن وحدیث میں صراحت کے ساتھ نہیں ہیں تو اسے عالم کے ساتھ ساتھ مجتہد بھی کہا جاتا ہے۔

تعلیم اور تعلّم کا تعلق علم سے ہے اجتہاد سے نہیں، اور تقلید کا تعلق اجتہاد سے ہے علم سے نہیں۔ مراجع کرام کی دو حیثیتیں ہیں وہ عالم بھی ہیں اور مجتہد بھی۔ جب قرآن وحدیث میں موجود کسی حکم کی نشاندہی کرتے ہیں تو ان کی حیثیت معلّم کی ہوتی ہے اور جب طریقہ کار معین کرنے کے لئے اپنا فیصلہ بتاتے ہیں تو ان کی حیثیت ''مجتہد'' کی ہوتی ہے۔ علم، معلم سے حاصل کیا جاتا ہے اور مجتہد سے اس کا ''فیصلہ'' معلوم کیا جاتا ہے۔ کسی کے فیصلے کو علم نہیں کہتے اس لئے کہ علم ایک ہوتا ہے لیکن فیصلے الگ الگ ہوتے ہیں، اسی لئے مفتی کے ساتھ اس کا فتویٰ بھی مرجاتا ہے مگر قرآن وحدیث کے قیامت تک زندہ رہنے والے احکام حقیقت ابدی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اصل علم ہو یا بری الذمہ ہونے کے لئے اپنا وظیفہ معلوم کرنا ہو، دونوں صورتوں میں عالم یعنی جاننے والے سے پوچھنا چاہیے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ

كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ، اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر یعنی جاننے والوں سے پوچھو۔(۱)
اس آیت میں یہ دونوں حکم موجود ہیں۔علم حاصل کرنے کے لئے بھی ہمیں جاننے والوں سے پوچھنے کی ضرورت ہے اسے رجوع علمی کہہ سکتے ہیں اور اپنا وظیفہ شرعی معلوم کرنے کے لئے بھی جاننے والوں سے پوچھنے کی ضرورت ہے اور اسے رجوع عملی کہہ سکتے ہیں۔

کسی بھی موضوع میں جب انسان کوئی مطلب سمجھ نہ سکے اور اسے دوسروں سے اتباعاً اخذ کرے اسے تقلید کہتے ہیں۔البتہ تقلید کے اکثر مواقع ایسے ہیں جہاں تعلیم اور تجربے کی احتیاج ہوتی ہے کیونکہ کسی بھی علم سے بے بہرہ افراد، عالم و ماہر و تجربہ کار ہی سے علم کے مسائل حل کرتے ہیں لہٰذا ایسے افراد کو ''مقلِّد'' اور عالم و ماہر فن کو اس علم وفن کا ''مجتہد'' کہا جاتا ہے۔

شرعی احکام کو سمجھنے اور انہیں حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط کا ہونا ضروری ہے جو سب لوگوں کو میسر نہیں کیونکہ اس بات میں تو شک نہیں ہے کہ آسمانی ادیان میں کسی دین نے اپنے پیروکاروں کو حیوانات کی طرح بلا تکلیف نہیں چھوڑا بلکہ کچھ احکام اور دستور معین کئے ہیں تا کہ ان کا علم حاصل کر کے ان پر عمل کیا جائے۔دین اسلام نے بھی کچھ احکام وقوانین بیان کئے ہیں جن کو قرآنی آیات اور احادیث معصومینؑ سے کافی دقت کے ساتھ مخصوص شرائط کو پیش نظر رکھ کر حاصل کیا جا سکتا ہے لہٰذا جس شخص کے اندر یہ شرائط موجود ہوں اور خود تحقیق کر سکتا ہو اور مذکورہ بالا مدارک سے اپنے روزمرہ کے

.....

۱۔سورہ نحل آیت ۴۳،سورہ انبیاء آیت ۷

مسائل حاصل کرسکتا ہو تو وہ مجتہد ہے اور جس شخص کے اندر اتنی صلاحیت نہ ہو تو اسے چاہیے کہ کسی مجتہد کی پیروی کرے، ایسے شخص کو مقلد کہتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ تقلید کے منکر ہیں یا تقلید کے حرام ہونے کا فتوی دیتے ہیں وہ اصلاً تقلید کے معنی ومفہوم سے ہی غافل ہیں اور انہوں نے اس بارے میں علماء کی مراد نہیں سمجھی کیونکہ اگر تقلید کے معنی یہ لئے جائیں کہ کوئی مجتہد یہ کہے کہ پیغمبرؐ اور امامؑ کا یہ فرمان ہے اور اس کے مقابلے میں میرا یہ فتوی ہے تو ایسے مجتہد کی تقلید بدعت اور حرام ہے کیونکہ احکام کے حصول میں قرآن وسنت کے علاوہ کسی کی بات قابل قبول نہیں ہے۔

لیکن اگر فرض کریں کہ ایک شخص نے سالہا سال کی زحمت وتکلیف کے بعد آیات قرآنی اور روایات معصومینؑ سے احکام وقوانین الٰہی اخذ یا حاصل کئے ہیں اور جو کچھ وہ کہتا ہے انہی کی طرف سے کہتا ہے تو اس صورت میں جو شخص کلام خدا اور فرامین ائمہؑ سے احکام خدا کو حاصل نہیں کرسکتا اور اس بات کی طاقت اور قدرت بھی نہیں رکھتا، وہ اپنے دینی مسائل میں ایسے عالم ومجتہد کی بات مانے..... تو یقینا ایسی تقلید نہ صرف عقلاً صحیح ہے بلکہ ائمہؑ کے دستور کے مطابق، لازم وواجب ہے۔

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ مجتہد کا فتوی دراصل خدا، رسولؐ، اور ائمہؑ کے فرامین سے حاصل شدہ مطلب کا بیان ہے یہ ایسا مطلب نہیں جسے اس نے اپنی طرف سے بنالیا ہو۔ اگر کوئی مجتہد کہے میری رائے اور فتویٰ اس طرح ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ میں نے قرآن وحدیث اور فرامین معصومینؑ سے سمجھا..... وہ یہ ہے، ورنہ اگر یہ فتوی اس نے اپنی طرف سے دیا ہو، قرآن وسنت کے مقابلے میں پیش کیا ہو تو اس کی رائے اور فتوے کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی وہ قابلِ قبول ہے۔

تقلید کی اقسام

تقلید کی مزید دو قسمیں ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے۔

(۱) ایسی تقلید جس سے منع کیا گیا ہے (۲) جائز تقلید

ایسی تقلید جس سے منع کیا گیا ہے:

وہ تقلید جس کا مطلب ماحول یا عادات کی بنا پر اندھی پیروی ہو تو وہ یقیناً ممنوع ہے اور اسی کی قرآن میں ان الفاظ میں مذمت کی گئی ہے: اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآئَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ، ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا اور ہم ان کی ہی اقتدا اور پیروی کرتے جا رہے ہیں۔(۱)

تقلید ممنوع سے مراد صرف وہ اندھی تقلید ہی نہیں ہے جو ماحول، عادت یا آباء واجداد کی پیروی میں کی جائے، بلکہ اس تقلید کی بھی دو قسمیں ہیں جو جاہل عالم کی اور عام آدمی فقیہ کی کرتا ہے، ایک مشروع اور دوسری ممنوع۔

شہید مطہریؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرجع تقلید کی تلاش میں ہیں جس کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دے دیں۔ اسلام میں کسی کے ہاتھ میں باگ ڈور دینے کا حکم نہیں ہے۔ اسلام تو آنکھیں کھولنے اور آنکھیں کھلی رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ تقلید اگر کسی دوسرے کے ہاتھ میں باگ ڈور دینے کی شکل اختیار کر لے تو اس سے ہزاروں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔(۲)

۱۔ سورہ زخرف آیت ۲۳ ۲۔ سخن ص ۱۰۹

تقلید جائز ہونے کے حوالے سے ایک حدیث پیش خدمت ہے (اس حدیث کے متعلق آئندہ تفصیلی بحث ہوگی انشاء اللہ): وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ صَائِنًا لِنَفْسِهٖ حَافِظًا لِدِيْنِهٖ مُخَالِفًا لِهَوَاهُ مُطِيْعًا لِاَمْرِ مَوْلَاهُ فَلِلْعَوَامِ اَنْ يُقَلِّدُوْهُ، ہمارے فقہاء میں سے جو فقیہ جو اپنے دین کی حفاظت کرتا ہو، اپنے نفس کو بچاتا ہو، اپنی خواہشات نفسانی کی مخالفت کرتا ہو اور اپنے مولا کے امر کی اطاعت کرتا ہو تو عوام کو چاہیے کہ ایسے فقیہ کی تقلید کریں۔(۱)

یہی حدیث اجتہاد و تقلید کے لئے سند کی حیثیت رکھتی ہے اور شیخ انصاری اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث معتبر ہے کیونکہ آثار صدق اس سے نمایاں ہیں۔ یہ حدیث اس آیت کریمہ سے تعلق رکھتی ہے: وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾، ان میں سے کچھ ایسے ان پڑھ ہیں جو کتاب خدا کو اپنے مطلب کی باتوں کے سوا کچھ نہیں سمجھتے اور وہ فقط خیالی باتیں کیا کرتے ہیں۔(۲)

اس آیت میں ایسے ان پڑھ یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے جو اپنے علماء اور پیشوایان دین کی پیروی اور تقلید کرتے تھے۔ یہ آیت ان آیات کے بعد ہے جن میں علماء یہود کی ناپسندیدہ روش کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہودیوں میں بہت سے ان پڑھ اور نادان تھے جن کو آسمانی کتاب کے متعلق سوائے اپنی چند خواہشات اور خیالات کے کچھ معلوم نہیں تھا، وہ صرف خیالی پلاؤ پکاتے رہتے تھے۔

.....

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۲۷ ص ۱۳۱ ۲۔ سورہ بقرہ آیت ۷۸

اسی آیت کے ذیل میں امام صادقؑ کی ایک حدیث ملتی ہے، ایک شخص نے امام صادقؑ سے عرض کیا کہ عوام اور ان پڑھ یہودیوں کے لئے اس کے علاوہ چارہ ہی نہیں تھا کہ وہ اپنے علماء سے جو کچھ سنیں اسے مان لیں اور اس کی پیروی کریں، اگر قصور ہے تو علمائے یہود کا ہے، عوام کے پاس تو اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار موجود ہی نہیں تھا، قرآن کیوں بیچارے عوام کی مذمت کرتا ہے جن کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ ہمارے عوام اور یہود کے عوام میں کیا فرق ہے؟ اگر عوام کی طرف سے علماء کی تقلید اور پیروی مذموم ہے تو ہمارے عوام جو علماء کی تقلید اور پیروی کرتے ہیں وہ بھی قابل مذمت ہونی چاہیے، اگر یہودی عوام کو اپنے علماء کے قول پر عمل نہیں کرنا چاہیے تھا تو ہمارے عوام کو بھی نہیں کرنا چاہیے۔

آپؑ نے فرمایا: بَيْنَ عَوَامِنَا وَعُلَمَائِنَا وَبَيْنَ عَوَامِ الْيَهُوْدِ وَبَيْنَ عُلَمَائِهِمْ فَرْقٌ مِنْ جَهْةٍ وَتَسْوِيَةٌ مِنْ جَهْةٍ اَمَّا مِنْ حَيْثُ اسْتَوَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ ذَمَّ عَوَامَنَا بِتَقْلِيْدِهِمْ عُلَمَائَهُمْ كَمَا قَدْ ذَمَّ عَوَامَهُمْ وَ اَمَّا مِنْ حَيْثُ افْتَرَقُوْا فَلَا، یعنی ہمارے علماء اور عوام میں اور یہود کے عوام اور علماء میں ایک لحاظ سے فرق ہے اور ایک لحاظ سے وہ سب برابر ہیں، وہ صورت جن میں ایک جیسے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمارے عوام کو بھی اپنے علماء کی تقلید سے منع کیا ہے مگر جس لحاظ سے برابر نہیں ہیں اس لحاظ سے منع نہیں کیا۔ فَقَالَ بَيِّنْ لِيْ يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ اَنَّ عَوَامَ الْيَهُوْدِ كَانُوْا قَدْ عَرَفُوْا عُلَمَائَهُمْ بِالْكِذْبِ الصَّرِيْحِ وَبِأَكْلِ الْحَرَامِ وَالرَّشَاءِ وَبِتَغْيِيْرِ الْاَحْكَامِ عَنْ وَاجِبِهَا بِالشَّفَاعَاتِ وَالْعِنَايَاتِ وَالْمُصَانِعَاتِ وَعَرَفُوْهُمْ بِالتَّعَصُّبِ الشَّدِيْدِ الَّذِيْ يُفَارِقُوْنَ بِهٖ اَدْيَانَهُمْ وَاَنَّهُمْ اِذَا تَعَصَّبُوْا

اَذَالُوْا حُقُوْقَ مَنْ تَعَصَّبُوْا عَلَيْهِ وَاَعْطَوْا مَا لَا يَسْتَحِقُّهُ مَنْ تَعَصَّبُوْا لَهُ مِنْ اَمْوَالِ غَيْرِهِمْ وَظَلَمُوْهُمْ مِنْ اَجْلِهِمْ وَعَرَفُوْهُمْ يُفَارِقُوْنَ الْمُحَرَّمَاتِ، اس شخص نے عرض کیا اے فرزند رسولؐ کچھ اور وضاحت فرما دیجیے۔ آپؑ نے فرمایا: یہودی عوام کو معلوم تھا کہ ان کے علماء جھوٹ بولتے ہیں، رشوت سے پرہیز نہیں کرتے، احکام و فیصلوں کو لحاظ و مروت سے یا رشوت لے کر بدل دیتے ہیں، وہ جانتے تھے کہ وہ کس کی طرفداری کرتے ہیں اور کس سے تعصب برتتے ہیں، ان کے فیصلوں میں ذاتی تعلق اور بغض و محبت کو دخل ہوتا تھا، وہ ایک کا حق دوسرے کو دلوا دیتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: وَاضْطَرُّوْا بِمَعَارِفِ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى اَنَّ مَنْ يَفْعَلُ مَا يَفْعَلُوْنَهُ فَهُوَ فَاسِقٌ لَا يَجُوْزُ اَنْ يُصَدَّقَ عَلَى اللّٰهِ وَلَا عَلَى الْوَسَائِطِ بَيْنَ الْخَلْقِ وَبَيْنَ اللّٰهِ، ان کا ضمیر خود کہتا تھا کہ جن کے ایسے اعمال ہوں وہ فاسق ہیں اور ان کی زبان سے خدا اور پیغمبروں کا قول قبول نہیں کرنا چاہیے اور وہ اللہ اور اسکی مخلوق کے درمیان واسطہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہاں امامؑ یہ فرما رہے ہیں کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہودی عوام کو یہ مسئلہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ایسے علماء کے قول پر عمل نہیں کرنا چاہیے جو خود بھی اپنے دینی احکام پر عمل نہ کرتے ہوں کیونکہ یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جو کسی کو معلوم نہ ہو، اس بات کا علم خدا نے ہر انسان کی فطرت میں رکھا ہے اور ہر شخص اپنی عقل سے اس بات کو سمجھتا ہے۔

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: وَكَذَالِكَ عَوَامُّ اُمَّتِنَا اِذَا عَرَفُوْا مِنْ فُقَهَائِهِمُ الْفِسْقَ الظَّاهِرَ وَالْعَصَبِيَّةَ الشَّدِيْدَةَ وَالتَّكَالُبَ عَلَى حُطَامِ الدُّنْيَا وَحَرَامِهَا وَاِهْلَاكَ مَنْ يَتَعَصَّبُوْنَ عَلَيْهِ وَاِنْ كَانَ لِاِصْلَاحِ اَمْرِهٖ مُسْتَحِقًّا

وَبِالتَّرَفُّقِ بِالْبِرِّ وَالْاِحْسَانِ عَلٰی مَا تَعَصَّبُوْا لَهٗ وَاِنْ كَانَ لِلْاِذْلَالِ وَالْاِهَانَةِ مُسْتَحِقًّا فَمَنْ قَلَّدَ مِنْ عَوَامِنَا مِثْلَ هٰؤُلَاءِ الْفُقَهَاءِ فَهُمْ مِثْلُ الْيَهُوْدِ الَّذِيْنَ ذَمَّهُمُ اللّٰهُ بِالتَّقْلِيْدِ لِفَسَقَةِ فُقَهَائِهِمْ، یہی صورت ہمارے عوام کی ہے، وہ بھی اگر یہ دیکھیں کہ ان کے فقہاء بد اعمال، شدید تعصب اور دنیا پرستی میں مبتلا ہیں، اپنے طرفداروں کی چاہے وہ کتنے ہی نالائق کیوں نہ ہوں طرفداری کرتے ہیں اور مخالفین چاہے کتنے ہی احسان اور نیکی کے مستحق کیوں نہ ہوں، ان کو کچلنے کی کوشش کرتے ہیں، عوام اس کے باوجود آنکھیں بند کر کے ان کی پیروی کریں تو وہ بھی یہودیوں کی طرح مذمت اور ملامت کے مستحق ہوں گے۔(۱)

ان تمام باتوں سے یہ عرض کرنا مقصود تھا کہ جاہل جب عالم کی تقلید کرتا ہے تو اس کا مطلب کسی کے ہاتھ میں باگ ڈور دینا نہیں ہوتا، اگر ایسی صورت ہو تو وہ تقلید ممنوع ہے۔ پس انسان کو ہمیشہ اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہیں، اسلام تقلید کا حکم دیتا ہے لیکن بیداری اور ہوش کے ساتھ تقلید کرنے کا حکم دیتا ہے۔

جائز تقلید:

تقلید ممنوع کے بارے میں امام جعفر صادقؑ کی تفصیلی حدیث کے جو فقرے نقل کئے ان کے بعد امامؑ نے تقلید مشروع و ممدوح کے بارے میں یوں فرمایا ہے: وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ صَائِنًا لِنَفْسِهٖ حَافِظًا لِدِيْنِهٖ مُخَالِفًا لِهَوَاهُ مُطِيْعًا لِاَمْرِ مَوْلَاهُ فَلِلْعَوَامِ اَنْ يُقَلِّدُوْهُ، ہمارے فقہاء میں سے وہ فقیہ جو اپنے

.....

۱۔ بحار الانوار ج ۲ ص ۸۶، تفسیر الامام العسکری ص ۲۹۹

دین کی حفاظت کرتا ہو، اپنے نفس کو بچاتا ہو، اپنی خواہشات نفسانی کی مخالفت کرتا ہو اور اپنے مولا کے امر کی اطاعت کرتا ہو تو عوام کو چاہیے کہ ایسے فقیہ کی تقلید کریں۔

یہ نکتہ بھی قابل وضاحت ہے کہ جہاں تک خواہشات نفسانی کی مخالفت کا تعلق ہے ایک عالم روحانی کے سلسلے میں اس کا مطلب مختلف ہے اور ایک عام آدمی کے سلسلے میں اس سے مختلف، کیونکہ ہر شخص کی خواہشات نفسانی مختلف ہیں، جوان کی خواہش نفسانی کچھ ہے اور بوڑھوں کی کچھ اور، جو شخص جس مقام، جس درجے اور عمر کے جس حصّے سے تعلق رکھتا ہو اسی کے مطابق اس کی خواہشات ہوں گی۔ ایک عالم روحانی کی ہوا پرستی کا معیار یہ نہیں کہ وہ شراب پیتا ہے یا نہیں، جوا کھیلتا ہے یا نہیں، تارک صوم وصلاۃ ہے یا نہیں؟ بلکہ اس کی ہوا پرستی عزّ وجاہ کی خواہش، دست بوسی اور شہرت ومقبولیت کی آرزو اور اس بات کی تمنا کرنا کہ لوگ اس کی جنبش سر پر حرکت کریں۔ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ وہ بیت المال کی رقم اپنی شان جمانے یا اپنے خاص لوگوں پر تو خرچ نہیں کرتا اور اسی قسم کی اور باتیں.... !!

اس کے بعد امامؑ فرماتے ہیں: وَ ذَالِكَ لَا يَكُوْنُ اِلَّا بَعْضَ فُقَهَاءِ الشِّيْعَةِ لَا جَمِيْعَهُمْ، یعنی یہ فضائل اور خوبیاں صرف بعض شیعہ فقہاء میں ہوں گی سب میں نہیں۔!

اس حدیث کے آخری فقرے مسئلہ اجتہاد اور تقلید پر ایک سند کی حیثیت رکھتے ہیں، پس معلوم ہوا کہ اجتہاد اور تقلید دونوں کی دو قسمیں ہیں ایک مشروع اور دوسری ممنوع۔

میت کی تقلید کیوں جائز نہیں ہے؟

ہماری فقہ میں یہ مسئلہ مسلمات میں سے ہے کہ ابتداء میں میت کی تقلید جائز نہیں ہے۔تقلید میت پر باقی رہنا بھی صرف اس صورت میں جائز ہے جب کوئی شخص میت کے زمانہ حیات میں تقلید کرتا رہا ہو مگر مردہ مجتہد کی تقلید پر باقی رہنے کے لئے بھی زندہ مجتہد کی اجازت ضروری ہے۔اس طرز فکر کا پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ یہ علوم دینیہ کی بقاء کا مؤثر ذریعہ ہے اور اس طرح اسلامی علوم نہ صرف محفوظ رہتے ہیں بلکہ ان میں روز بروز ترقی ہوتی رہتی ہے، ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے اور نئی نئی مشکلات حل ہوتی رہتی ہیں۔

یہ بات نہیں ہے کہ ہمارے تمام مسائل اور مشکلات قدیم علماء حل کر چکے ہوں اور اب کوئی کام باقی نہ رہا ہو۔علم کلام، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم اسلامی کے ہزاروں مسائل ایسے ہیں جن میں سے کچھ کو گزشتہ علمائے کبار نے حل کر دیا ہے اور کچھ اب بھی باقی ہیں جن کا حل آنے والے علماء کا فریضہ ہے۔ضروری ہے کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ہر شعبہ میں بہتر اور جامع تر تصانیف تیار ہوتی رہیں اور کام برابر آگے بڑھتا رہے۔جس طرح گزشتہ زمانے میں بتدریج علماء نے تفسیر کو ترقی دی، علم کلام کو ترقی دی اور فقہ کو ترقی دی اسی طرح اب بھی یہ کام نہیں رکے گا اور اس میں پیشرفت ہوتی رہے گی۔غرض زندہ مجتہدین کی تقلید علوم اسلامی کی بقا اور ارتقاء کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔

دوسری بات یہ کہ مسلمانوں کو زندگی میں نت نئے مسائل کا سامنا رہتا ہے اور انہیں علم نہیں ہوتا کہ ان مسائل کو کیسے حل کیا جائے۔اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے زندہ فقہاء اور تازہ افکار لازمی ہیں۔اجتہاد و تقلید سے متعلق ایک روایت ہے: اَمَّا الْحَوَادِثُ الْوَاقِعَةُ فَارْجِعُوْا فِيْهَا اِلٰى رُوَاةِ اَحَادِيْثِنَا، جدید پیش آنے والے مسائل میں ہماری حدیثوں کو بیان کرنے والوں کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ تم پر میری

طرف سے حجت ہیں اور میں خدا کی جانب سے ان پر حجت ہوں۔(۱) حوادثِ واقعہ سے مراد وہی نئے نئے مسائل ہیں جو ہر دور اور ہر صدی میں پیش آتے رہتے ہیں۔

کتب فقہی کے مطالعہ اور تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں حسب ضرورت فقہی مسائل میں اضافہ ہوتا رہا ہے اور فقہاء نئے پیش آنے والے مسائل کا حل تلاش کرتے رہے ہیں اور اس طرح مسائل فقہیہ کی تعداد بڑھتی رہی ہے۔ اگر کوئی ذرا غور کرے تو وہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ کون سے مسئلہ کی کس دور اور کس علاقہ میں ضرورت پیش آئی۔ اگر زندہ مجتہد مسائل سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تو پھر زندہ اور مردہ مجتہد کی تقلید میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں یہی بہتر ہے کہ کسی ایسے مردہ مجتہد کی تقلید کی جائے جو سب سے اعلم تھے جیسے شیخ انصاریؒ جن کے متعلق زندہ مجتہدین کو اعتراف ہے کہ وہ بہت بڑے عالم اور محقق تھے۔

بنیادی طور پر اجتہاد کا بنیادی راز ہی یہ ہے کہ جو احکام کلی طور پر بیان کئے گئے ہیں انہیں جدید مسائل اور بدلتے ہوئے حالات پر منطبق کیا جائے۔ حقیقی مجتہد وہی ہے جو اس راز پر گرفت پالے اور یہ سمجھ لے کہ حالات کیسے بدلتے ہیں اور اس کے نتیجے میں احکام کیسے بدل جاتے ہیں، ورنہ پرانے مسائل پر ہی غور وفکر کرتے رہنا اور قوی کو

احوط اور احوط کو علی الاقوی میں بدل دینا تو کوئی بڑا کمال نہیں اور نہ اتنی سی بات کے لئے اس تمام جھگڑے کی ضرورت ہے۔ پس حقیقی مجتہد وہ ہے جو ''قوانین کلی'' اور آئندہ پیش آنے والے جزوی یا جدید مسائل کے درمیان مطابقت پیدا کرے۔ اس عمل کے لئے صرف چند علوم سے آگاہی کافی نہیں ہے بلکہ مختلف علوم جیسے صرف ونحو، منطق، معانی وبیان، اصول فقہ، تاریخ اسلام، تفسیر، علم کلام اور علم رجال وغیرہ میں مکمل مہارت کی ضرورت ہے۔

.....

۱۔ احتجاج طبرسی ج ۲ ص ۴۶۹

مرجعیت کی ضرورت

''مرجعیت'' یا ''مرکزیت'' کا تصور زندگی کے لئے کبھی اجنبی نہیں رہا ہے اور فطرت اس طریقہ عمل سے کبھی نا آشنا نہیں رہی ہے۔

حیوانات کی زندگی میں بھی اس واضح صورت کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ چیونٹی، دیمک اور شہد کی مکھیاں ایک مضبوط ترین اجتماعی نظام کے تحت ایک مرکز سے وابستہ رہ کر اپنی زندگی گزارتی ہیں چوپایوں اور پرندوں میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ شہد کی مکھیوں میں تو ''مرجعیت'' کا یہ نظام اتنا مضبوط ہے کہ انسانوں کو بھی اس سے سبق لینا چاہیے۔

انسانی زندگی میں بھی اس فطری طریقۂ حیات کی مثالیں موجود ہیں۔ عائلی زندگی سے لیکر اجتماعی زندگی تک ہر جگہ کسی نہ کسی شکل اور کسی نہ کسی سطح پر یہ نظام موجود ہے، قبائل میں سردار، وڈیرہ، چوہدری، اور مملکتوں میں بادشاہ، صدر، وزیر اعظم کا تصور اسی نظام کی صورتیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مرکز کے بغیر کوئی دائرہ نہیں بن سکتا اسی طرح مرجعیت کے بغیر کسی قوم کی تشکیل نہیں کی جاسکتی۔ لامرکزیت اور لامرجعیت، انتشار، لاقانونیت اور افتراق کو جنم دیتی ہے جو آخر کار قوموں کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

افراد کا مجموعہ اگر منظم اور مربوط نہیں تو ٹوٹی ہوئی تسبیح کے بکھرے دانوں کا ڈھیر ہے جس سے کوئی کام نہیں لیا جاسکتا۔ طاقت افراد کی تعداد سے نہیں بلکہ اتحاد و تنظیم سے پیدا ہوتی ہے اور بغیر مرکز کے کوئی نظام عالمِ وجود میں نہیں آسکتا۔ شاعر مشرق

علامہ اقبالؒ نے اسی لئے فرمایا:۔

جس قوم کے افراد میں تنظیم نہیں ہے وہ قوم کبھی لائق تعظیم نہیں ہے

اسلام نے اصل مرکز کے گرد چھوٹی چھوٹی جزوی مرجعیت کو بھی امام جماعت یا امیر لشکر کی حیثیت سے ضروری قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کے جن فرقوں میں مرجعیت کا کوئی واضح تصور نہیں ہے وہ ہمیشہ علمی اور عملی لحاظ سے قلابازیاں کھاتے رہے ہیں اور آج بھی من مانی کا شکار ہیں لیکن شیعیان اہلبیت علیہم السلام کے درمیان ہمیشہ سے واضح اور مستحکم قرآنی، عقلی، اور منطقی نظام رائج رہا ہے۔

مرجع حقیقی صرف اللہ ہے اور بندہ مومن اپنے معاملات میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور پھر رجوع الی اللہ کا لازمی نتیجہ رجوع الی الرسولؐ ہے اور رجوع الی الرسولؐ کا لازمی نتیجہ رجوع الی ائمۃ المعصومینؑ ہے۔ اسی لئے قرآن نے بار بار اللہ، رسولؐ اور ائمہؑ کی ولایت کا اعلان کیا ہے۔ رسول اسلامؐ نے اسی نظام کو باقی رکھنے کے لئے خدا کے حکم سے غدیر خم میں ولایت کا اعلان کیا تھا جسے سقیفہ میں مجروح کر دیا گیا جس کا نتیجہ مسلمان قوم آج تک بھگت رہی ہے۔

مگر شیعیان اہلبیتؑ نے ایک لمحے کے لئے بھی اپنا رابطہ منقطع ہونے نہیں دیا اور ہمیشہ دینی اور دنیاوی امور میں ان ذوات مقدسہؑ کی اطاعت کرتے رہے اور پھر امام آخر الزمانؑ کی غیبت کے بعد یہ نظام، معصوم کی ولایت کے عہدے سے گزر کر فقیہ اور مجتہد کی ولایت کی سرحد میں داخل ہو گیا۔

مجتہد اور فقیہ کی ولایت کا تصور بھی عقل و منطق اور قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے۔ جو بھی قانون کو برتر سمجھتا ہے اور ہر چیز پر قانون الٰہی کی بالادستی کا قائل ہے اسے ماننا پڑے گا کہ فقیہ عادل قانون کا امانتدار اور نمائندہ ہے اور اس کی آواز قانون کی

آواز ہے اور اس کا حکم قانون کا حکم ہے۔

مذہبی دنیا کے باہر بھی یہی قانون چلتا ہے جب کسی ملک کے سپریم کورٹ کا جج کوئی فیصلہ سناتا ہے تو حکومت اور عوام سب کو اس کا حکم ماننا پڑتا ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ پورے ملک نے جس دستور اساسی کی بالاتری تسلیم کرلی ہے جج اس کا جاننے والا اور نمائندہ ہے، چونکہ وہ قانون دان ہونے کی حیثیت سے قانون کی توجیہ وتشریح اور تطبیق کا حق رکھتا ہے اس لئے اس کا حکم قانون کا حکم ہے جس کی خلاف ورزی ملک سے بغاوت کے مترادف ہے۔

مرجعیت کا یہ نظام غیبت امامؑ سے لیکر آج تک کسی نہ کسی سطح پر اور کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے۔ سیاسی دباؤ، حالات کی ناسازگاری اور ذرائع کی کمی وبیشی کی وجہ سے اس کی کارکردگی میں فرق ضرور پیدا ہوا ہے مگر تعطل کبھی پیدا نہیں ہوا ہے۔ جب حالات سازگار ہوئے تو مراجع کرام نے ہر شعبہ حیات میں شیعوں کی سرپرستی اور قیادت کا فریضہ انجام دیا۔ حالات سازگار نہ ہوئے تو کتب خانوں میں بیٹھ کر حلال اور حرام کا فتوی دیتے رہے اور غیر محسوس طریقے سے شیعوں کی رہنمائی کرتے رہے۔

اسی نظام کی برکت سے ہے کہ شیعہ افراد دوسرے فرقوں سے قلت میں ہونے کے باوجود ان میں تحلیل ہونے کے بجائے اپنا دینی اور عملی تشخص برقرار رکھ سکے اور آج اس منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ ایران میں اپنے مسلک کی بنیاد پر ایک مثالی حکومت کی تشکیل کرسکے اور عراق کے اندر بھی بہت اچھی فعالیت کا مظاہرہ کررہے ہیں جبکہ اس نعمت سے محروم فرقے، کوشش اور بے انتہاء ذرائع کے باوجود پوری طرح ناکام رہے۔ یہ کہنا کہ صرف آیت اللہ خمینیؒ کی قائدانہ صلاحیت کی وجہ سے انقلاب ایران کامیاب ہوا، ناسمجھی کی دلیل ہوگی۔ برصغیر میں مولانا مودودی، مصر میں اخوان المسلمین کے علماء، عراق میں

آیۃ اللہ باقر الصدر اور لبنان میں موسیٰ صدر جیسی شخصیتیں بھرپور قائدانہ صلاحیتوں کی مالک تھیں۔ مگر جید اور عظیم صلاحیتوں کے ہونے کے باوجود اپنے اپنے ملکوں میں اسلامی انقلاب نہ لا سکے۔ اس کا سبب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ایران میں ہمیشہ سے مرجعیت کا نظام ہمہ گیر طور پر قائم تھا، اس کی جڑیں گہرائی میں پھیلی ہوئی تھیں اور عوام کی اکثریت اس سے وابستہ تھی مگر دوسری جگہوں پر یا تو یہ نظام تھا ہی نہیں اور جہاں تھا وہاں برائے نام اور بہت محدود حلقے میں تھا، قائدانہ صلاحیت یقینا کام کرتی ہے مگر اس کے لئے سازگار زمین چاہیے، بنجر زمین میں فصل اور درخت نہیں اگائے جا سکتے۔

آج ساری دنیا میں مسلمان جس صورت حال سے گزر رہے ہیں اور جس افراتفری اور کسمپرسی کا شکار ہیں، جس طرح انہیں ذلیل کیا جا رہا ہے اور ان کا خون پانی سے زیادہ سستا ہو چکا ہے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے ہر صاحب فہم مسلمان ایک مرکز اور ایک مرجع کی ضرورت پوری شدت سے محسوس کر رہا ہے۔ ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد اور اپنا الگ مدرسہ بنانے کے مزاج نے مسلمانوں کو جتنا زیادہ نقصان پہنچایا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔

امریکہ ہو یا دوسری اسلام دشمن طاقتیں، شیعوں کے اسی نظام مرجعیت سے خوفزدہ اور پریشان ہیں۔ انہیں پورا یقین ہے کہ جب تک شیعوں کے درمیان یہ نظام موجود ہے انہیں پوری طرح شکست نہیں دی جا سکتی۔ اسی لئے یہ طاقتیں ہر وقت اس کوشش میں لگی رہتی ہیں کہ کسی طرح شیعوں کے اس نظام مرجعیت کو ''سبوتاژ'' کیا جائے۔ ان کا میڈیا ہر وقت مختلف لفظوں میں مرجعیت کے خلاف زہر اگلتا رہتا ہے اور ان کی خفیہ ایجنسیاں اس نظام کو مجروح کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ اس لئے مرجعیت کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز شعوری یا لاشعوری طور پر انہیں کی صدائے بازگشت ہے۔

اجتہاد کی ضرورت

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ تقلید ناگزیر ہے تو تقلید کے لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی شخصیت ہو جو اجتہاد کرے اور عوام اس کی تقلید کریں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اجتہاد کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے، اجتہاد کی ضرورت کا تقاضا بہت ساری چیزیں کرتی ہیں لیکن ہم ان میں سے اہم چیزوں کو ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ خاتمیّتِ انبیاءؑ:

ہر وہ شخص جو پیغمبر خداؐ کی رسالت اور خاتمیّتِ پر یقین رکھتا ہو، عقل اور شرع کے مطابق اسے اجتہاد کا قائل ہونا پڑے گا۔ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اعتقاد ہے کہ حضرت محمدؐ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے اور کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ میں سے جو انبیاءؑ صاحب شریعت تھے وہ انگلیوں میں گنے جانے کے قابل ہیں یعنی ان کی تعداد بہت ہی کم ہے، باقی جتنے بھی انبیاءؑ آئے تھے وہ سب تبلیغی انبیاءؑ تھے تشریعی نہیں۔ لہٰذا ہمارے نبیؐ خدا کے آخری نبیؐ تھے ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا، اس کے بعد رسول خداؐ نے خدا کے حکم سے ائمہ معصومینؑ کو اپنا نائب معین کیا اور لوگوں کو ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا۔ جب امام زمانہؑ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو آپ نے تبلیغ کی ذمہ داری علماء کے حوالے کر دی تا کہ لوگ ان کی طرف رجوع کریں اور ہدایت و رہنمائی حاصل کرتے رہیں جب ہم رسول خداؐ کی اس حدیث کو دیکھتے ہیں:

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ، میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں، (۱) اور امام زمانہؑ کی اس حدیث کی طرف نظر کرتے ہیں کہ: فَاِنَّهُمْ حُجَّتِیْ عَلَیْکُمْ وَاَنَا حُجَّةُ اللهِ عَلَیْهِمْ، وہ (فقہاء وعلماء) تم پر میری طرف سے حجت ہیں اور میں خدا کی جانب سے ان پر حجت ہوں، تو ہم پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ لوگوں کو معارف دینی اور احکام اسلام کی طرف ہدایت اور رہنمائی کرنا اور انہیں تمام مسائل زندگی سے آگاہ کرنے کی اصلی ذمہ داری انبیاءؑ اور امام معصومؑ کی ہے، ان کی غیر موجودگی میں پیغمبر آخر الزمانؐ اور امام زمانہؑ کی طرف سے فقہاء وعلماء عوام پر حجت ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے جب انسان کو خلق کیا تو اسے بے مہار اونٹ کی طرح نہیں چھوڑا بلکہ ان کی ہدایت کا بھی انتظام کیا قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی ﴿۳۶﴾، کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے ایسے ہی (بغیر رہنما کے) چھوڑ دیا جائے گا۔ (۲) پس جب انبیاءؑ اور ائمہ معصومینؑ نہ ہوں تو لوگوں کی ہدایت ورہنمائی علماء وفقہاء کی ذمہ داری ہے جسے وہ بطریق احسن انجام دے سکتے ہیں۔

۲۔ احکام اسلامی اور اس کے بنیادی مقاصد:

ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام احکام اسلامی کلی طور پر بیان ہو چکے ہیں، صرف ایسے رہنما اور ہادی کی ضرورت ہے جو ان کلیات اور اصول کو فروع پر تطبیق کر سکیں۔ رسول خداؐ ارشاد فرماتے ہیں: اُعْطِیْتُ جَوَامِعُ الْکَلِمِ، مجھے جامع کلام اور اصول عطا کیا گئے ہیں۔ (۳)

.....

۱۔ صراط مستقیم ج ۱ ص ۲۱۳، مستدرک الوسائل ج ۱۷ ص ۳۲۰

۲۔ القیامۃ ۳۶ ۳۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۲۴۰، المناقب ج ۱ ص ۱۴۲

یہ تو خدا کی جانب سے تھا کہ ہر چیز کا حکم بطور کلی رسول اسلام کو عطا کیا گیا تھا اور جب لوگوں کو ان کلیات سے احکام کو حاصل کرنا مشکل ہو گیا تو رسول خداؐ اور رائمہ معصومینؑ نے بھی ہمیں اصول وکلیات دیئے جیسا کہ امام رضاؑ ارشاد فرماتے ہیں: عَلَیْنَا اِلْقَاءُ الْاُصُوْلِ اِلَیْکُمْ وَعَلَیْکُمُ التَّفْرِیْعُ، ہماری ذمہ داری ہے کہ اصول (احکام شرعی کی کلیات) کو بیان کریں اور تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ ان اصول سے فروعات نکالو۔(۱)

یہاں صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ قوانین کلی دینا ہماری ذمہ داری ہے اور جدید پیش آنے والے مسائل کو ان کلیات پر تطبیق کرنا علماء اور فقہاء کی ذمہ داری ہے۔

اسلام ایک زندہ دین ہے اور اس کے اہداف شخصی نہیں ہیں بلکہ جس طرح اسلام کلی ہے اسی طرح اسلام کے اہداف ومقاصد بھی کلی ہیں، اسلام صرف ایک زمانے کے لئے نہیں آیا اسلام کے احکامات صرف ایک زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ اسلام اور اس کے احکامات رہتی دنیا تک کے لئے ہیں۔ اگر کوئی ہدف شخصی ہو تو اس ہدف کے ختم ہوتے ہی وہ تحریک بھی ختم ہو جائے گی ایک عرصہ گزرنے کے بعد انسان اس ہدف کو اپنے پیچھے پائیں گے اور وہ تحریک بھی مر چکی ہوگی لیکن اگر ہدف اور مقصد محدود نہ ہو تو دنیا میں جتنے بھی انسان آتے رہیں گے وہ اس ہدف کو اپنے سامنے اور آگے پائیں گے، ایسی تحریک ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ دین مقدس اسلام بھی ایسی ہی جاودانی اور ابدی تحریک ہے۔ اسلام میں ہر واقعہ اور ہر مسئلہ کا حکم بیان نہیں کیا گیا اور یہ ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ بے شمار مسائل ائمہ معصومینؑ کے زمانے میں حضور کے بعد بھی پیش آنے

.....

۱۔ مستطرفات السرائر ص ۵۷۵

والے تھے اور اسی طرح ان کے زمانے میں بھی دنیا کے ہر کونے میں پیش آنے والے جزئی مسائل کا جواب دینا ممکن نہیں تھا، لہٰذا ائمہ معصومینؑ نے احکامات اسلام کے لئے قواعد کلی بیان فرمائے اور فقہاء و مجتہدین کی یہ ذمہ داری لگائی کہ وہ ان قواعد کلی سے جدید پیش آنے والے فروعات کا حل تلاش کریں۔(۱)

۳۔اسلام دین جاوید.....!

پیغمبر اسلامؐ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کی شریعت ہمیشہ رہنے والی ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ: هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ﴿۳۳﴾، وہی تو وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس (اسلام) کو تمام ادیان پر غالب کرے اگر چہ مشرکین برا مانا کریں۔(۲)

اسلام ہمیشہ رہنے ولا دین ہے اور اس کے احکامات جاودانی ہیں۔شیخ حر عاملیؒ نے اپنی کتاب ''الفصول المهمة فی اصول الائمة'' میں اسلام کے جاودانی ہونے کے بارے میں دو حدیثیں بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک پیش خدمت ہے: سماعہ بن مہران کہتا ہے کہ میں نے آیہ ''فَاصۡبِرۡ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ ،آپ صبر کریں جس طرح الوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے'' (۳) کی تلاوت امام صادقؑ کے سامنے کی، آپؑ نے فرمایا: ''نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمدؐ اولوالعزم

.....

۱۔اجتہاد در عصر ائمہ معصومینؑ ص ۹۵

۲۔سورہ توبہ آیت ۳۳ ۳۔سورہ احقاف ۳۵

ہیں'' اس کے بعد فرمایا: فَكُلُّ نَبِيٍّ جَاءَ بَعْدَ الْمَسِيحِ اَخَذَ بِشَرِيْعَتِهٖ وَمِنْهَاجِهٖ حَتّٰى جَاءَ مُحَمَّدٌ فَجَاءَ بِالْقُرْآنِ وَبِشَرِيْعَتِهٖ وَمِنْهَاجِهٖ فَحَلَالُهُ حَلَالٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَحَرَامُهُ حَرَامٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، حضرت عیسیٰؑ کے بعد جو بھی نبی آیا اس نے عیسیٰؑ کی شریعت کی تبلیغ کی یہاں تک کہ پیغمبر اسلامؐ قرآن اور اپنی شریعت کے ساتھ آئے۔ پس محمدؐ کا حلال قیامت تک حلال اور محمدؐ کا حرام قیامت تک حرام ہے۔(۱)

اس کے بعد شیخ حر عاملیؒ نے فرمایا کہ اسلام کی جاودانی ہونے کے بارے میں احادیث متواتر ہیں۔

پس جب شریعت اسلامی جاودانی ہے اور اس کے احکام بھی جاودانی ہیں تو اجتہاد و فقاہت اسی جاودانی اسلام کا ایک اہم جزء ہے، ان کے ذریعے اسلامی احکامات کے جدید پیش آنے والے ہر سوال کا جواب قرآن وسنت سے مستنبط ہو کر ہر شخص تک پہنچتا ہے۔ اجتہاد و فقاہت قیامت تک لوگوں کی ضروریات اور احتیاجات کے جوابدہ ہیں اور لوگوں کو احکام اسلامی کی طرف رہنمائی کرنے کا ذریعہ ہیں۔

۴۔ اسلام عالمگیر دین ہے!

رسول خداؐ تمام انسانوں کے پیغمبر ہیں، آپؐ کی رسالت کا دائرہ وسیع ہے جو ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے پیغمبر خدا کو حکم دیا کہ وہ اپنی رسالت کے عالمگیر ہونے کا اعلان کریں: قُلْ يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا، اے رسول! تم ان لوگوں سے کہہ دو: اے لوگو! میں تم سب لوگوں کے پاس خدا

.....

۱۔ الفصول المهمة فی اصول الائمة ص ۲۵۷، بحار الانوار ج ۱۶ ص ۳۵۴

کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔(۱) ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط، اور میرے پاس یہ قرآن وحی کے طور پر اس لئے نازل کیا گیا ہے تا کہ میں اس کے ذریعے تمہیں اور ہر اس شخص کو جس تک یہ قرآن پہنچے ڈراؤں۔(۲) ان دو آیتوں کے علاوہ اور کئی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ پیغمبر خداؐ اس زمانے میں موجود اور آئندہ زمانے میں آنے والے تمام انسانوں کے رسول ہیں۔

رسول خداؐ اپنی رسالت کے عالمگیر ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اُرْسِلْتُ اِلَی النَّاسِ کَافَّۃً، مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔(۳) اسی سے ملتی جلتی ایک اور حدیث بھی ملتی ہے: اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً، مجھے تمام مخلوقات کی طرف بھیجا گیا ہے۔(۴)

اسلام ایک ایسا دین ہے جو تمام انسانوں کو زندگی کا رہن سہن اور طریقہ سکھاتا ہے، شریعت اسلام کے قوانین میں ایسی قدرت ہے جو اجتماعی انسانی معاشرے کی مکمل تدبیر کر سکتی ہے۔ اسلام چونکہ تمام عالم کے لئے ہے اور کسی خاص گروہ یا کسی خاص جگہ، مقام یا مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے لہٰذا اس کے عالمگیر قوانین کو قرآنی آیات اور روایات معصومینؑ کی روشنی میں بیان کرنے کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہے تا کہ لوگوں کو رہنمائی مل سکے اور ان کی ضروریات اور سوالات کے جواب بھی ملتے رہیں۔ پس اجتہاد عالمگیر دین اسلام کے لوازم میں سے ہے، کسی قوم یا کسی خاص مقام اور ملک کے ساتھ

.....

۱۔ سورہ اعراف آیت ۱۵۶ ۲۔ سورہ انعام آیت ۱۹

۳۔ بحار الانوار ج ۱۶ ص ۳۲۱ ۴۔ المناقب ج ۱ ص ۱۴۲

مخصوص نہیں ہے۔ لہٰذا عالمگیر اسلام کے پیغام اور احکامات شرعی کو تمام دنیائے اسلام میں حقیقی تشخص کے ساتھ پیش کرنے کے لئے فقہاء اور مجتہدین کی ضرورت ہے جو اپنی ساری توانائیوں کو خرچ کر کے قرآن وسنت سے احکام الٰہی کو استنباط کریں اور حقیقی اسلام کے پیروکاروں تک پہنچائیں۔

۵۔ اسلام مکمل ضابطہ حیات!

اسلام تمام انسانوں کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اسلام ایسا دین نہیں ہے جس نے لوگوں کی زندگی کے صرف ایک شعبۂ حیات کی طرف رہنمائی کی ہو بلکہ اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے انسان کی زندگی کے تمام شعبوں کو واضح قانون دیا ہے۔ انسان اپنی دنیاوی اور اجتماعی زندگی میں بہت سارے مسائل کا حکم معلوم کرنے کا محتاج ہے اور اسلام ایک ایسا کامل دین ہے جس نے انسان کے اُن تمام مسائل اور تمام ضروریات کا مکمل جواب دیا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ، اور ہم نے آپ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے۔(۱) ایک اور مقام میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ، کوئی خشک اور تر چیز نہیں ہے جس کا ذکر اس کتاب مبین میں بیان نہ کیا گیا ہو۔(۲)

امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ: مَا مِنْ شَيْءٍ اِلَّا وَفِيْهِ كِتَابٌ اَوْ

.....

۱۔ سورہ النحل آیت ۸۹ ۲۔ انعام ۵۹

سُنَّۃٌ، کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کا ذکر قرآن یا سنت میں موجود نہ ہو۔(۱) ایک مقام پر آپؑ ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَنْزَلَ فِی الْقُرْآنِ تِبْیَانَ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی وَاللّٰہِ مَا تَرَکَ اللّٰہُ شَیْئًا یَّحْتَاجُ اِلَیْہِ الْعِبَادُ حَتّٰی لَا یَسْتَطِیْعَ عَبْدٌ یَقُوْلُ لَوْ کَانَ ھٰذَا اُنْزِلَ فِی الْقُرْآنِ اِلَّا وَقَدْ اَنْزَلَہُ فِیْہِ، خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں ہر چیز کا بیان نازل کیا ہے، خدا کی قسم یہاں تک کہ اللہ نے کسی ایسی چیز کو ترک نہیں کیا جس کی ضرورت لوگوں کو پیش آئے، کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش اس چیز کا ذکر قرآن میں موجود ہوتا مگر یہ کہ خدا نے قرآن میں اس چیز کا ذکر نازل کیا ہے۔(۲)

اسلام ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جس کے اندر تمام لوگوں کی ضروریات کا حکم بیان کیا جاچکا ہے، ہمارے عقیدے کے مطابق قرآن وسنت میں تمام چیزوں کا ذکر موجود ہے۔لیکن بعض فرقوں کے نزدیک قرآن اور سنت میں تمام احکام موجود نہیں ہیں جیسا کہ فضل ابن شاذان اہل سنت کی فقہ کی خصوصیات کے بارے میں کہتا ہے: خدا نے انسانوں کی تمام احتیاجات کا حل پیغمبرؐ کے حوالے نہیں کیا اور وہ بھی تمام احکام کا علم نہیں رکھتے تھے یا بیان نہیں کیا اسی لئے صحابہ اور تابعین، پیغمبرؐ کے بعد اپنی رائے سے استنباط کرتے تھے۔(۳)

فضل ابن شاذان کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ قیاس (جسے قدیم زمانے میں اجتہاد کہتے تھے) کی طرف محتاج ہونا قرآن وسنت میں احکام کا بیان

.....

۱۔اصول کافی ج۱ ص۵۹ ۲۔اصول کافی ج۱ ص۵۹

۳۔الایضاح، فضل ابن شاذان ص۵

موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہے لہٰذا وہ اپنی رائے سے استنباط کرتے تھے۔ جبکہ مکتب اہل بیتؑ کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں تمام احکامات اسلامی کا ذکر موجود ہے البتہ تمام جزئیات کا حکم نہیں بتایا گیا بلکہ کلیات بتائے گئے ہیں اور یہ ذمہ داری فقہاء کی لگائی گئی ہے کہ وہ ان جزئیات کو کلیات پر تطبیق کریں اور حکم الٰہی کو لوگوں تک پہنچائیں۔ پس یہیں سے واضح ہوجاتا ہے کہ اہل سنت جس اجتہاد کی بات کرتے ہیں وہ قرآن وسنت کے مقابل ہے اور اس اجتہاد کی ہمارے ائمہؑ اور علماء نے شدت کے ساتھ مخالفت کی ہے لیکن علمائے مکتب اہل بیتؑ جس اجتہاد کی بات کرتے ہیں اس سے مراد قرآن وسنت میں بیان شدہ کلیات واصول سے جزئیات کا حکم معلوم کرنا ہے، انہیں اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی طرف سے یعنی قرآن وسنت سے ہٹ کر، کسی چیز کا حکم بیان کریں، ہمارے نزدیک اس کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ ہمارے عقیدے کے مطابق قرآن وسنت میں تمام چیزوں کا حکم موجود ہے۔

۶۔ اجتہاد واجب کفائی!

اب تک اجتہاد کی ضرورت اور مبانی کو بیان کیا گیا، مذہب شیعہ میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اگر منابع فقہی میں اجتہاد سے مدد نہ لی جائے تو فقہ، جدید پیش آنے مسائل اور لوگوں کے سوالات کا حل پیش نہیں کرسکتی۔ اسی لئے اجتہاد کی اہمیت اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے ہمارے کچھ علماء جیسے ابن زہرہ حلبیؒ صاحب کتاب غنیۃ، ابن حمزہؒ صاحب کتاب الوسیلہ، میرزا عبداللہ اصفہانیؒ صاحب کتاب ریاض العلماء وغیرہ نے اجتہاد کو واجب عینی قرار دیا ہے۔ لیکن اکثر علماء اجتہاد کو واجب کفائی سمجھتے ہیں،

کیونکہ اجتہاد کا واجب عینی ہونا محل اشکال ہے۔ اگر اجتہاد واجب عینی ہوتا تو قرآن مجید کی سورہ توبہ میں خدا تمام گروہوں پر ''نفر'' (علم دین حاصل کرنے کے لئے اپنے وطن کو چھوڑ کر ہجرت کرنا) کو واجب قرار دیتا جبکہ خدا نے تمام لوگوں کے نفر کا حکم نہیں دیا بلکہ بعض کا تفقہ فی الدین کر لینا کافی سمجھا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾، تمام مؤمنین کے لئے اپنے وطن کو تحصیل علم دین کے لئے چھوڑنا ممکن نہیں ہے پس حتماً ہر گروہ میں سے کچھ لوگوں کا تحصیل علم کے لئے جانا بہت ضروری ہے تا کہ علم دین حاصل کریں اور جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئیں تو ان کو (عذاب آخرت سے) ڈرائیں تا کہ یہ لوگ ڈریں۔(۱)

پس اجتہاد کی اہمیت کی وجہ سے تفقہ فی الدین واجب کفائی ہے اور جب کچھ افراد فقیہ بن جائیں تو دوسرے لوگوں پر ان کی اطاعت کرنا لازمی ہے۔ اجتہاد کا لازمہ تقلید ہے یعنی جہاں اجتہاد ہوگا وہاں تقلید بھی ہوگی کیونکہ اگر اجتہاد ہو لیکن تقلید نہ ہو تو اس اجتہاد کا کوئی فائدہ نہیں ہے.... !

.....

۱۔ سورہ توبہ آیت ۱۲۳

اجتہاد کی اقسام

اب تک جو مطالب بیان ہوئے ہیں ان میں اجتہاد کو ایک فطری، عقلی اور منطقی عمل قرار دیا گیا لیکن ہم مکتب اہل ابیتؑ کے پیروکار ہر قسم کے اجتہاد کو صحیح نہیں سمجھتے۔ ہم صرف اس اجتہاد کو صحیح سمجھتے ہیں جس کی شریعت نے اجازت دی ہو۔ جس طرح تقلید مشروع اور ممنوع تھی اسی طرح اجتہاد کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) اجتہاد غیر مشروع و ممنوع (۲) اجتہاد مشروع۔

۱۔ ممنوع اجتہاد:

ہماری نظر میں جو اجتہاد ممنوع ہے وہ تشریع یا قانون سازی ہے یعنی جو حکم قرآن وسنت میں نہیں ہے، مجتہد خود اپنی رائے سے اسے وضع کرے، اس کو اصطلاحاً اجتہاد بالرائے کہتے ہیں۔ اس قسم کا اجتہاد شیعہ نقطہ نظر سے ممنوع ہے لیکن اہل سنت کے یہاں جائز ہے، وہ کہتے ہیں شرعی احکام کے تین مآخذ ہیں: کتاب، سنت اور اجتہاد۔ اجتہاد سے وہی اجتہاد مراد ہے جو قرآن وسنت کے مقابلے میں ہو۔

اس اختلاف رائے کا اصلی سبب ملاحظہ فرمائیں: اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ کتاب وسنت میں احکام کی تعداد محدود ہے لیکن ان مسائل اور احکام کی تعداد جن کے حل کے لئے جوابات کی ضرورت ہے وہ لامحدود ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ کتاب وسنت کے علاوہ بھی احکام کا کوئی مآخذ ہو۔ ان کے نزدیک احکام الٰہی کا یہ مآخذ وہی ہے

جسے ہم اجتہاد بالرائے کہتے ہیں۔ اجتہاد بالرائے کا مطلب وہی قیاس ہے جس پر اہل سنت کے ائمہ عمل کرتے تھے۔ قیاس کا مطلب یہ ہے کہ کسی صورت حال میں ایسا حکم دیا جائے جو اس سے ملتی جلتی اور اس سے مشابہ کسی اور صورت حال میں دیا گیا ہو۔

شہید مطہریؒ اس بارے میں فرماتے ہیں: اجتہاد بالرائے کیا ہے اور کس طرح انجام پانا چاہیے اس سلسلہ میں اہل سنت کے یہاں خاصا اختلاف ہے۔ شافعی کی مشہور ومعروف کتاب ''الرسالۃ'' جو علم اصول فقہ میں لکھی گئی پہلی کتاب ہے، میں ایک باب، باب اجتہاد کے نام سے بھی ہے۔ شافعی کو اس کتاب میں اس بات پر اصرار ہے کہ احادیث میں ''اجتہاد'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے صرف ''قیاس'' مراد ہے۔ قیاس کا مطلب اجمالی طور پر یہ ہے مشابہ مقام ومورد پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے سامنے درپیش قضیہ میں ان ہی مشابہ کے مطابق حکم کریں۔ لیکن بعض دوسرے سنی فقہاء نے اجتہاد بالرائے کو قیاس میں منحصر نہیں جانا ہے، بلکہ استحسان کو بھی معتبر مانا ہے۔ استحسان کا مطلب یہ ہے کہ مشابہ موارد کو مدنظر رکھے بغیر مستقل طور پر جائزہ لیں اور جو چیز حق وانصاف سے زیادہ قریب ہو نیز ہمارا ذوق وعقل اسے پسند کرے اسی کے مطابق حکم صادر کریں۔ اسی طرح ''استصلاح'' بھی ہے یعنی ایک مصلحت کو دوسری مصلحت پر مقدم رکھنا۔ ایسے ہی ''اَوّل'' بھی ہے یعنی اگرچہ کسی دینی نص، کسی آیت یا رسول خداؐ کی کسی معتبر حدیث میں ایک حکم موجود ہے لیکن بعض وجوہات کے پیش نظر ہمیں نص کے مفہوم ومدلول کو نظر انداز کر کے اپنی ''اجتہادی'' رائے مقدم کرنے کا حق ہے۔ اس سلسلہ میں یعنی نص کے مقابلہ میں اجتہاد کے متعلق متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں اور شاید سب سے اچھی کتاب ''النص والاجتہاد'' ہے جسے علامہ جلیل سید شرف الدین عاملیؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

شیعہ نقطہ نظر سے اس قسم کا اجتہاد نا جائز ہے۔ شیعوں اور ان کے ائمہؑ کی نظر میں اس اجتہاد کی بنیاد ''یعنی کتاب وسنت کافی نہیں ہیں لہٰذا ہمیں اپنی فکر ورائے سے اجتہاد کرنے کی ضرورت ہے'' ہی درست نہیں ہے۔

اس حوالے سے فضل ابن شاذان وضاحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ: خدا نے انسان کی تمام مورد احتیاج چیزوں کا حکم پیغمبر خداؐ کے حوالے نہیں کیا ہے، اور پیغمبر بھی ان چیزوں کا حکم نہیں جانتے تھے یا انہوں نے بیان نہیں کیا لہٰذا صحابہ اور تابعین، پیغمبر خداؐ کے بعد اپنی رائے سے استنباط کرتے تھے اور اس کو سنت کہتے تھے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔(۱)

اس بیان سے صاف نظر آرہا ہے کہ اہل سنت اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ قرآن وسنت میں تمام احکامات کا ذکر موجود ہے بلکہ اس کے مقابلے میں اپنی ذاتی رائے کو لے آتے ہیں اور اس عمل کو اجتہاد کہتے ہیں جبکہ شیعہ نقطہ نظر سے قرآن وسنت کی کلیات سے جدید پیش آنے والے مسائل کا حل نکالنا اور ان مسائل کو اصول وکلیات پر تطبیق کرنا اور جدید مسائل اور کلیات کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کو اجتہاد کہتے ہیں۔

مخالفین اجتہاد اسی اشتراک لفظی کا فائدہ اٹھا کر معصوم لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ مجتہدین پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ (مجتہدین) اجتہاد پر عمل کرتے ہیں جبکہ اجتہاد ایسا منفور عمل ہے جس کی مخالفت

.....

۱۔ الایضاح، فضل ابن شاذان ص ۵

ہمارے ائمہ معصومینؑ اور بزرگ علماء نے ہمیشہ کی ہے۔ان کا یہ اعتراض لفظ اجتہاد کے اشتراک لفظی سے فائدہ اٹھا کر معصوم اذہان کو تشویش میں مبتلاء کرنے کے لئے ہے۔ ہمارے ائمہ معصومینؑ اور بزرگ علمائے کرام نے جس اجتہاد کی شدت کے ساتھ مخالفت کی ہے اس سے مراد وہ اجتہاد ہے جس میں قرآن وسنت کے مقابلے میں ذاتی رائے کو معیار بنا کر احکام کا حل تلاش کیا جائے، جبکہ قرآن وسنت کے اصول وکلیات پر جدید پیش آنے والے مسائل اور جزئیات کو تطبیق کرنا ائمہ معصومینؑ کے دور سے ہی ثابت ہے بلکہ ائمہ معصومینؑ نے نہ صرف اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس کا حکم بھی دیا ہے۔انشاءاللہ ہم جلد ہی اس بات کو معصومینؑ کی روایات کے ذریعے ثابت کریں گے۔

لیکن شیعہ نقطہ نظر سے اس قسم کا اجتہاد مشروع نہیں جسے قرآن وسنت کے مقابلے میں پیش کیا جائے، شیعہ اور ائمہ شیعہؑ کے نقطہ نظر سے اس قضیہ کی بنیاد ہی غلط ہے جو انہوں نے اجتہاد کو درست اور صحیح کرنے کے لئے رکھی ہے یعنی یہ بات صحیح نہیں کہ کتاب وسنت میں تمام مسائل کا حل موجود نہیں ہے اسی لئے اجتہاد بالرائے کی ضرورت پیش آتی ہے۔اس ضمن میں بہت ساری احادیث وروایات موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بطور کلی ہر چیز کا حکم کتاب وسنت میں موجود ہے۔کتاب کافی میں باب البِدع والمقائیس کے بعد ایک اور باب موجود ہے جس کا عنوان ہے: بَابُ الرَّدِّ اِلَی الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاَنَّهُ لَیْسَ شَیْءٌ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَجَمِیْعِ مَا یَحْتَاجُ اِلَیْهِ النَّاسُ اِلَّا وَقَدْ جَاءَ فِیْهِ کِتَابٌ اَوْ سُنَّةٌ، کتاب اور سنت کی طرف پلٹانے کا باب اور یہ کہ حلال وحرام اور ہر وہ حکم جس کا انسان محتاج ہو، ان میں سے کوئی

ایسی چیز نہیں ہے جس کا حکم کتاب اور سنت میں موجود نہ ہو۔(۱)

ائمہ اہل بیتؑ نے ہمیشہ قیاس کی مخالفت کی ہے جیسا کہ امام جعفر صادقؑ نے ابوحنیفہ کو متعدد مقامات پر قیاس پر عمل کرنے کی وجہ سے ٹوکا تھا۔

۲۔مشروع اجتہاد:

پانچویں صدی تک اجتہاد کا لفظ قیاس اور اجتہاد بالرائے کے لئے ہی استعمال ہوتا رہا، جو شیعہ نقطہ نظر سے اجتہاد ممنوع تھا۔اس وقت شیعہ علماء اپنی کتابوں میں باب الاجتہاد کو رکھتے تھے تا کہ اس کا رد کریں، اسے باطل ٹھہرائیں اور اسے ممنوع قرار دیں جیسا کہ شیخ طوسی نے اپنی کتاب ''عدۃ'' میں کیا ہے۔

شہید باقر الصدر فرماتے ہیں: لفظ اجتہاد قدیم زمانے میں شخصی رائے کو کہا جاتا تھا، اس صورت میں اجتہاد اَدِلَّۂ فقہیہ میں سے ایک دلیل اور احکام شرعی کے لئے ایک ماخذ ومصدر شمار ہوگا، جس طرح فقیہ کتاب اور سنت سے استدلال کرتا ہے اسی طرح جہاں کتاب وسنت میں حکم نہ ملے تو اجتہاد شخصی پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی سے استدلال کرتا ہے۔اس اجتہاد بالرائے کی ہمارے ائمہ معصومینؑ نے شدید مخالفت کی اور غیبت صغری کے بعد چوتھی صدی کے وسط میں شیخ صدوقؒ اس اجتہاد کی مخالفت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور چوتھی صدی کے اواخر میں شیخ مفیدؒ اس کی مخالفت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ایک کتاب ''النقض علی ابن جنید فی اجتہاد

.....

۱۔اصول کافی ج ۱ ص ۵۹

الرأی'' کے نام سے اجتہاد کی مخالفت میں تحریر کرتے ہیں۔اسی طرح پانچویں صدی کے اوائل میں سید مرتضیٰؒ اجتہاد بالرائے کی مذمت کرتے ہوئے اپنی کتاب ذریعہ میں لکھتے ہیں: اِنَّ الْاِجْتِهَادَ بَاطِلٌ وَاَنَّ الْاِمَامِيَّةَ لَا يَجُوْزُ عِنْدَهُمُ الْعَمَلُ بِالظَّنِّ وَلَا الرَّأْيِ وَلَا الْاِجْتِهَادِ، اجتہاد باطل ہے اور امامیہ کے نزدیک ظن، اپنی رائے، اور اجتہاد پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔اس کے بعد پانچویں صدی کے وسط میں شیخ طوسیؒ اجتہاد بالرائے کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: اَمَّا الْقِيَاسُ وَالْاِجْتِهَادُ فَعِنْدَنَا اَنَّهُمَا لَيْسَا بِدَلِيْلَيْنِ، بَلْ مَحْظُوْرٌ فِي الشَّرِيْعَةِ اسْتِعْمَالُهُمَا، قیاس اور اجتہاد ہمارے نزدیک دلیل نہیں ہیں بلکہ شریعت نے ان دونوں کو استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔ان کے بعد ابن ادریس حلی نے بھی کتاب سرائر میں اجتہاد بالرائے کی مخالفت کی ہے۔لیکن اس کے بعد اجتہاد کے معنی بدل گئے اور ذاتی رائے سے حاصل کردہ حکم شرعی کے لئے استعمال نہیں ہوا بلکہ قرآن وسنت کی کلیات پر جزئیات کو تطبیق کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور آج تک فقہاء اس لفظ کو اسی جدید معنی میں استعمال کررہے ہیں۔(۱)

جس اجتہاد سے ہمارے ائمہ معصومینؑ نے کھل کر مخالفت کی خصوصاً امام جعفر صادقؑ نے اجتہاد پر عمل کرنے کی وجہ سے ابوحنیفہ کی بہت شدت کے ساتھ مخالفت کی وہ اجتہاد قرآن وسنت کا مخالف اجتہاد تھا۔ان کے گمان کے مطابق تمام احکام وقوانین

.....

۱۔دروس فی علم الاصول، الحلقات ج ۱ ص ۳۱

اسلام میں بیان نہیں کئے گئے جبکہ قرآنی آیات اور اقوال پیغمبرؐ صراحت کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ تمام احکام اسلامی کا بیان آچکا ہے۔

لغت عرب میں میں کسی لفظ کے معنی کا بدل جانا کوئی نئی بات نہیں ہے جیسا کہ لفظ صلاۃ پہلے دعا کے لئے استعمال کیا جاتا تھا لیکن بعد میں نماز کے لئے استعمال ہونے لگا، اسی طرح صوم مطلق امساک کے لئے استعمال کیا جاتا تھا لیکن شریعت اسلامی میں روزہ کے لئے استعمال ہونے لگا، اسی طرح زکوۃ نمو اور بڑھنے کو کہا جاتا تھا لیکن بعد میں نصاب مکمل ہونے پر ایک خاص مقدار کو جدا کرنے کو زکوٰۃ کہا جانے لگا، اسی طرح لفظ حج پہلے سعی اور کوشش کے لئے استعمال کیا جاتا تھا لیکن بعد میں اس کے معنی بدل گئے اور مکہ مکرمہ جا کر اعمال مخصوصہ انجام دینے کو حج کہا جانے لگا۔

الغرض رفتہ رفتہ اجتہاد اپنے قدیم معنی پر باقی نہیں رہا اور وہ کسی اور معنی میں استعمال ہونے لگا جیسا کہ خود اہل سنت کے علماء نے بھی لفظ اجتہاد کو اس جدید معنی میں استعمال کرنا شروع کر دیا، غزالی نے اپنی مشہور کتاب ''المستصفیٰ'' میں لفظ اجتہاد کو جدید معنی میں استعمال کیا ہے اور اجتہاد کا معنی یوں بیان کیا ہے: اِسْتِفْرَاغُ الْوُسْعِ فِیْ طَلَبِ الْحُکْمِ الشَّرْعِیِّ، حکم شرعی کے استنباط میں انتہائی کوشش اور سعی کرنا۔

اس تعریف کے مطابق اجتہاد کا مطلب یہ ہے: حکم شرعی کو اَدِلَّۂ معتبرہ شرعیہ سے استنباط کرنے کے لئے انتہائی کوشش کرنا اور قرآن وسنت کے اصول اور کلیات پر جدید پیش آنے والے مسائل کو تطبیق کرنا۔

اجتہاد اور تقلید قرآن کے آئینے میں

اجتہاد اور تقلید کی ضرورت کو جاننے کے بعد یہ ضروری ہے کہ اس پر دلیل پیش کی جائے۔ دلیل جتنی مضبوط ہوگی اسی کے حساب سے مدعیٰ واضح اور روشن ہوگا۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اجتہاد وتقلید ایک فطری عمل ہے جس کی تائید اللہ تعالیٰ نے اپنی بابرکت کتاب میں کی ہے۔ان میں سے چند آیات پیش خدمت ہیں۔

پہلی آیت:

اجتہاد اور تقلید کے حوالے سے جو آیہ مبارکہ بہت ہی اہمیت کی حامل ہے وہ یہ ہے:وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ،تمام مؤمنین کے لئے اپنے وطن کو تحصیل علم دین کے لئے چھوڑنا ممکن نہیں ہے پس حتماً ہر گروہ میں سے کچھ لوگوں کو تحصیل علم کے لئے جانا بہت ضروری ہے تاکہ علم دین حاصل کریں اور جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئیں تو ان کو (عذاب آخرت سے) ڈرائیں تاکہ یہ لوگ ڈریں۔(۱)

اس آیہ کریمہ میں صراحت کے ساتھ ہدایت کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت تفقہ پیدا کرے اور دوسروں کو تفقہ سے بہرہ ور کرے۔

.....

۱۔سورہ توبہ آیت ۱۲۲

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ دین کا سطحی علم حاصل نہ کریں، بلکہ غور وفکر سے کام لیں اور احکام الٰہی کی روح تک رسائی حاصل کریں۔

یہی آیت تفقہ اور اجتہاد کے لئے سندِ اعتبار رکھتی ہے اور یہی آیت ہماری تجاویز کو مستند ٹھہراتی ہے۔اس آیت کے مطابق اسلام میں اجتہاد اور تفقہ کی بساط بچھی ہوئی ہے اور اسی کے حکم کے مطابق اس بساط کو مزید وسیع ہونا چاہیے۔

قرآن ہماری فطرت کی آواز ہے اور ہمارے اس مالک کا کلام ہے جس کی رحمت کی آغوش میں ہماری پرورش ہوتی ہے اور جس کے کرم کی ہواؤں میں ہم سانس لیتے ہیں جو ہمارے نفس سے زیادہ ہم سے قریب ہے، وہ نہ صرف ہماری قوت فہم وادراک سے واقف ہے بلکہ ان کا خالق بھی ہے لہٰذا یقیناً اس نے ایسی زبان اور ایسے اسلوب میں گفتگو کی ہے جسے ہم آسانی سے سمجھ لیں اور ایسا ذریعہ اختیار کیا ہے جو ہماری سطح ادراک کے مطابق ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس مرکز علم کے سامنے دست طلب دراز کرنے والا کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں پلٹتا اور اس بحر ذخار کی طرف کاسہ فکر بڑھانے والا کبھی پیاسا نہیں لوٹتا۔عربی داں ہو یا غیر عربی داں، کالج کی فضاؤں میں پرورش پانے والا ہو یا حوزاتِ دینی کا پروردہ، سب بقدر ظرف اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں۔متن پڑھ کر مطلب سمجھ سکتا ہو یا ترجمہ کی مدد درکار ہو قرآن کے دروازے سب کے لئے کھلے ہیں، شرط صرف تقویٰ اور غور وفکر کرنے کی ہے ورنہ کیسے ممکن تھا کہ ابولہب اور ابوجہل جیسے اہل زبان کو قرآن سے کچھ نہ ملے اور سلمان فارسی اور بلال حبشی جیسے باہر سے آنے والے سب کچھ حاصل کرلیں اسی لئے قرآن نے کئی مرتبہ اپنے آسان ہونے کا اعلان بھی کردیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ طلسماتی ذریعہ سے قرآن کا سارا مفہوم انسان کے دماغ میں اتر جایا کرتا ہے یا کسی ''ٹیلی پیتھی'' کے سہارے اس کے تمام مطالب انسان کے ذہن میں منتقل ہوجایا کرتے ہیں۔نہیں بلکہ قرآن کو بھی سمجھنے کے لئے ان وسائل اور ذرائع کو بروئے کار لانا ہوگا جنہیں اللہ نے کسی کلام کو سمجھنے کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔اس نظری نظام سے گزرنا پڑے گا جسے خالق نے کسی بھی گفتگو کے مفہوم تک پہنچنے کے لئے قائم کیا ہے یعنی کسی بھی کلام کے مفہوم تک پہنچنے کے لئے قرائت یا سماعت کی منزلوں سے گزرنا پڑے گا۔الفاظ ولغت کا علم حاصل کرنا ہوگا۔ سیاق وسباق پر نظر رکھنا ہوگی،قرینۂ معنوی اور قرینۂ لفظی سے واقفیت حاصل کرنا ہوگی، محاوروں،امثال،استعارے اور علامتوں کی شناخت کی صلاحیت پیدا کرنا ہوگی۔اگر آسانی کا مطلب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ جیسے ہی قرآن پر نظر ڈالیں گے اس کا سارا علم اڑ کر ہم تک آجائے گا تو دیوانگی کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ اللہ کے بنائے ہوئے نظام کو کوئی توڑ نہیں سکتا اور اس کی سنت کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا... !

اس لئے قرآن سے ایمان وعرفان کی روشنی ہر ایک حاصل کرسکتا ہے مگر قرآنی احکام کے اہداف ومصادیق کے بارے میں قطعی فیصلے کا حق صرف اسے ہے جو اس کے متعلقہ علوم پر دسترس رکھتا ہو۔دریا سے پیاس بجھانے کا حق سب کو ہے مگر اس کی گہرائی میں اترنے کی اجازت اُسے نہیں دی جاسکتی جو تیرنا نہ جانتا ہو،اگر قرآن سے احکام اخذ کرنے کی اجازت سب کو دی جائے تو جاہل ونادان فکر اپنی ذاتی پسند ناپسند کے جذبے سے مغلوب ہوکر ایسے مفاہیم قرآن سے برآمد کرنے کی غلطی کرسکتی ہے، جو اس میں

موجود نہیں ہیں اور یہ تحریف کی خطرناک صورت ہے۔قرآن کے انداز بیان میں بے شمار ایسی خصوصیات ہیں جو انسانی عقل کو حیرت میں ڈالے ہوئے ہیں اور اسے معجزہ ثابت کرتی ہیں۔منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ قرآن میں ایک ایسے اجمال میں گفتگو کی ہے جس کے آئینے میں صاحبانِ نظر کو پوری تفصیل دکھائی دیتی ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَاۗىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝ ، تمام مؤمنین کے لئے اپنے وطن کو تحصیل علم دین کے لئے چھوڑنا ممکن نہیں ہے پس حتماً ہر گروہ میں سے کچھ لوگوں کا تحصیل علم کے لئے جانا بہت ضروری ہے تاکہ علم دین حاصل کریں اور جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئیں تو ان کو (عذاب آخرت سے) ڈرائیں تاکہ یہ لوگ ڈریں۔(۱) مذکورہ آیت میں قرآن واضح طور پر حکم دیتا ہے کہ ہر حلقہ سے چند افراد تفقہ فی الدین کی صلاحیت پیدا کریں اور پھر اپنی قوم میں ''انذار'' کی ذمہ داری ادا کریں۔ یہاں قرآن نے امر کے لئے ''لِيَتَفَقَّهُوْا'' اور ''لِيُنْذِرُوْا'' کے دو ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن کے بطن میں سینکڑوں معانی موجود ہیں اور غور وفکر کرنے والا بغیر کسی شک کے پوری تفصیل معلوم کرسکتا ہے۔یعنی ''تفقہ فی الدین'' کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان تفسیر، حدیث، رجال، تاریخ، ادب، درایہ اور معانی وبیان کے علوم پر دسترس حاصل کرے گویا قرآن نے ''لِيَتَفَقَّهُوْا'' کے پردے میں مذکورہ عمل حاصل کرنے کا حکم

.....

۱۔سورہ توبہ آیت ۱۲۲

دیا ہے، یہ مفہوم کہیں باہر سے نہیں لایا گیا بلکہ قرآن کے دامن میں موجود ہے۔

''انذار'' یعنی ڈرانا، اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ایک فقیہ پستول خرید لائے اور لوگوں کو دھمکانا شروع کر دے کہ اگر نماز نہیں پڑھو گے تو گولی مار دونگا اور روزہ نہیں رکھو گے تو قتل کر دوں گا اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ پلاسٹک کے سانپ اور کاغذ کے بچھو دکھا کے لوگوں کو خوفزدہ کرے۔ ہر اہل نظر بڑی آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ ڈرانے کا مطلب ہے جادہ حیات میں آنے والے خطرات سے آگاہ کرنا، ناراضگی پروردگار کے مواقع سے خبردار کرنا، رحمت معبود سے دوری کے اسباب کی نشاندہی کرنا، غضب الٰہی کا سبب بن جانے والے اعمال کی وضاحت کرنا، اسی بات کو دوسرے الفاظ میں حرام، حلال اور واجب و مستحب امور کی تعلیم دینا کہا جا سکتا ہے۔

اسی طرح قرآن نے اسلامی معاشرے کے لئے دو طرح کے لوگوں کی نشاندہی کر دی ہے، ڈرانے والے اور ڈرنے والے، خبر دینے والے اور خبر حاصل کرنے والے۔ یعنی تفقہ فی الدین کی صلاحیت رکھنے والے افراد حسب ضرورت تفقہ کریں اور اس صلاحیت سے محروم افراد ان سے رہنمائی حاصل کریں۔ ہم تفقہ فی الدین کرنے والے افراد کو ''مجتہد'' اور رہنمائی حاصل کرنے والے افراد کو ''مقلد'' کہتے ہیں۔ اگر دوسری جہت سے دیکھیں تو تفقہ فی الدین کرنے کے عمل کو اجتہاد اور ان سے رہنمائی حاصل کرنے کے عمل کو تقلید کہیں تو یہ قرآن کی صحیح ترجمانی ہوگی، اپنی خواہشات کی نہیں۔

دوسری آیت:

اس آیت میں اہل علم کی تقلید کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے: فَاسْئَلُوْا

اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ، اگر تمہیں کسی چیز کا علم نہیں ہے تو اہل علم سے سوال کرو۔(۱)

یہ آیہ مجیدہ قرآن مجید میں دو مختلف مقامات پر موجود ہے۔ قاعدہ کلی ایک ہے وہ یہ کہ ''جاہل کا عالم سے پوچھنا'' لیکن دو مختلف مصادیق کے بارے میں ہے۔

پہلا مقام جہاں یہ آیت ہے وہ ہے سورہ انبیاء، اس آیت کی ابتداء میں قیامت اور لوگوں کی غفلت کے بارے میں بحث کی گئی ہے (اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ یعنی لوگوں کے حساب کا وقت قریب ہو چکا ہے) اور اس کے بعد کافروں کا خدا اور رسولؐ کے قول کے استہزاء یعنی مذاق اڑانے کے بارے میں بحث کی گئی ہے اور ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور رسولؐ کو مخاطب کر کے خدا فرماتے ہیں کہ آپ سے پہلے بھی ہم نے انبیاء بھیجے جن کی طرف وحی بھیجی گئی۔ اس کے بعد فرماتا ہے: فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ، اگر تمہیں کسی چیز کا علم نہیں ہے تو اہل علم سے سوال کرو۔ یہاں پر مخاطب وہی جاہل ہیں جو نبوت کا انکار کرتے تھے۔

دوسرا مقام جہاں یہ آیت موجود ہے وہ سورہ نحل ہے، اس آیت میں بھی اصل کلی وہی ہے یعنی ''جاہل کا عالم سے پوچھنا'' لیکن آیت کی مناسبت سے مخاطبین، موضوع، سوال اور عالم پہلی آیت سے مختلف ہے۔ اس آیت میں خدا مومنین (مہاجرین وصابرین) سے مخاطب ہیں۔ یہاں پر بحث کا محور قرآن اور اسلام کی

....

۱۔ سورہ انبیاء آیت ۷، سورہ نحل آیت ۴۳

تعلیمات ہیں، جیسا کہ بعد والی آیت میں فرماتے ہیں: اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ ، ہم نے آپ پر ذکر نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کو وہ احکام شرعی بتائیں جو ان کے لئے نازل کئے گئے ہیں۔(۱)

پس بدیہی ہے کہ اس مورد میں اہل ذکر درجہ اول میں ائمہ اطہارؑ ہیں اور درجہ دوم میں علماء دین ہیں۔ عالم حقیقی ائمہ اطہارؑ ہیں اور عالم بالواسطہ علماء دین ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو روایات اس آیت کے شان نزول کے بارے میں نقل ہوئی ہیں (جن میں سے بعض ہم آئندہ ''اجتہاد وتقلید حدیث سے ثابت ہے'' میں نقل کریں گے) وہ سورہ نحل کی آیت سے مربوط ہیں نہ سورہ انبیاء کی آیت سے۔ پس اس آیت میں خداوند تعالیٰ ایک قانون کلی بیان فرمارہا ہے کہ اگر کسی آدمی کو کسی چیز کے بارے میں علم نہیں ہے تو اس چیز کے عالم سے پوچھنا چاہیے۔ عالم اصلی ائمہ معصومینؑ ہیں کیونکہ ان کا علم خدا کی جانب سے ہے یعنی علم لدنی ہے لیکن علماء ورفقہاء کا علم کسبی ہے۔ اگرچہ فطرت کے لحاظ سے ائمہ معصومینؑ کے علاوہ تمام انسان جاہل ہونے میں یکساں ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ، اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں باہر نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔(۲) لیکن خدا نے انسان کے اندر یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ علم حاصل کرے۔ اسی صلاحیت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے علماء اور فقہاء نے بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ علم حاصل کیا، لہٰذا خدا نے بھی ان کی زحمت اور مشقت کو

.....

۱۔ سورہ نحل آیت ۴۴ ۲۔ سورہ النحل آیت ۷۸

پسند کرتے ہوئے اور ان کے علمی مرتبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں لوگوں کا مرجع بنایا۔ لوگوں کو یہ حکم دیا کہ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ، اگر تمہیں کسی چیز کا علم نہیں ہے تو اہل علم سے سوال کرو۔

علم ایک نعمت و رحمت خداوندی ہے لہٰذا انسان کے لئے اس رحمت اور نعمت سے منہ موڑنا مناسب نہیں ہے، خدا نے فقہاء اور مجتہدین کو یہ مقام عطا کیا ہے، معصومینؑ نے انہیں اپنا نائب بنایا ہے لہٰذا پیش آنے والے مسائل میں فقہاء کی طرف رجوع کرنا ہماری شرعی ذمہ داری ہے۔

تیسری آیت:

قانون الٰہی یہ ہے کہ جو شخص علم نہیں رکھتا اسے عالم بنانے کے لئے، اس کی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے اسے کسی عالم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جائے۔ خدا وند تعالیٰ اپنے بارے میں علم حاصل کرنے کے بارے میں بھی فرماتا ہے کہ: فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا، یعنی اس کے بارے میں جاننے والے سے پوچھو۔(۱) یہی قانون سب لوگوں کے لئے ہے کہ اگر وہ نہیں جانتے تو کسی جاننے والے سے معلوم کریں۔

.....

۱۔ سورہ الفرقان آیت ۵۹

اجتہاد اور تقلید حدیث کے آئینے میں!

اجتہاد اور تقلید پر قرآن مجید کے بعد اسے واضح اور ثابت کرنے والی دلیل احادیث نبوی اور اقوال معصومینؑ ہیں۔ قرآن وحدیث کی ماہیت میں فرق ہے یعنی قرآن ظنی الدلالۃ اور قطعی الصدور ہے کیونکہ قرآنی آیات کا نزول خدا کی طرف سے ہونا یقینی ہے لیکن قرآن کے الفاظ سے کیا مراد لیا گیا ہے یہ رسول خداؐ اور ائمہ معصومینؑ کو ہی یقینی طور پر معلوم ہے، ہم یقین کے ساتھ ہر آیت کے معنی بیان نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن میں محکم اور متشابہ دونوں قسم کی آیات ہیں جبکہ حدیث قطعی الدلالۃ اور ظنی الصدور ہے یعنی حدیث کی دلالت واضح اور مطلب آشکار ہے لیکن کیا یہ حدیث حقیقتاً رسولؐ اور ائمہ معصومینؑ سے صادر ہوئی ہے یا نہیں یہ بڑی مشکل سے معلوم ہوتا ہے۔ علم رجال اسی مقصد کے لئے ہے اور اس علم کے ذریعے دیکھا جاتا ہے کہ کون سی حدیث حقیقتاً معصومؑ سے نقل ہوئی ہے اور کون سی حدیث جھوٹی ہے۔ بدقسمتی سے پیغمبرؐ اور ائمہ معصومینؑ کی طرف جھوٹی نسبت دے کر ہزاروں حدیثیں بیان کی گئی ہیں اس لئے علم رجال کے ذریعے دیکھنا پڑتا ہے کہ کون سی حدیث معصومؑ کی ہے اور کون سی جھوٹی۔

اگرچہ قرآن وحدیث کی ماہیت میں فرق ہے لیکن دونوں کے واجب التعمیل ہونے میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے۔ قرآن نے اطاعت کے لئے حدیث کو مکمل وضاحت کے ساتھ اپنا ہمسر قرار دیا ہے اور پیغمبرؐ اور ان کی معصوم ذریتؑ کو مرکز اطاعت بنایا ہے۔ لہٰذا یہ سوچ غیر اسلامی ہے کہ قرآن سے ملا ہوا حکم زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور حدیث سے ملا ہوا حکم کم اہمیت کا حامل ہے۔ جتنا بڑا انعام قرآن کی اطاعت میں ملنے

والا ہے اتنا ہی بڑا انعام حدیث کی اطاعت میں ملے گا اور جتنی بڑی سزا قرآن کی حکم عدولی میں ملے گی ٹھیک ویسی ہی سزا حدیث کی خلاف ورزی میں بھی یقینی ہے۔

یہ کہنا کہ دین کے بنیادی مسائل کا تذکرہ قرآن میں ہونا ضروری ہے صرف حدیث کفایت نہیں کرتی، ایک ایسا مہمل نظریہ ہے جس کی پشت پر نہ کوئی منطق ہے اور نہ قرآن کی کوئی آیت۔

اس طرح کا غیر معقول کلیہ ایک بار مولانا مودودی نے بنایا تھا اور ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ: ''چونکہ خلافت اور امامت کا تذکرہ قرآن میں نہیں ہے اس لئے اس کا تعلق دین کے بنیادی عقائد سے نہیں ہے اور اس عقیدے کی بنیاد پر نہ جنت کا فیصلہ ہوگا اور نہ جہنم کا''۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کو آخر دین کے بنیادی مسائل بیان کرنے کا حق کیوں نہیں ہے؟ اور حضرت علیؑ اور دوسرے ائمہ معصومینؑ سے یہ حق کس نے سلب کر لیا ہے؟ عقل، وجدان، قرآن، آخر وہ کون سی چیز ہے جس کی رو سے پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ معصومینؑ کو دین کے بنیادی مسائل پر گفتگو کا حق حاصل نہیں ہے؟۔

جس طرح یہ کہنا غلط ہے کہ یہ حکم حدیث پیغمبرؐ میں تو ہے لیکن قرآنی آیات میں موجود نہیں ہے، اس لئے ہم اس حکم کو نہیں مانتے اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ حکم امام جعفر صادقؑ یا امام باقرؑ نے تو دیا ہے لیکن پیغمبر اسلامؐ، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ اور حسنینؑ کی احادیث میں موجود نہیں ہے یا یہ کہنا کہ فلاں حکم قرآن میں بھی ہے اور تمام معصومینؑ کی حدیثوں میں بھی ہے اس لئے ہمارے لئے زیادہ واجب العمل ہے اور فلاں حکم ایک معصومؑ نے دیا ہے اس لئے پہلے والے حکم کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے اگرچہ واجب العمل ہے، سخت جہالت اور نادانی کی علامت ہے، یہ سب ایک طرح کے انکار ہیں،

سب انکار ایک جیسے ہیں جو بے یقینی اور جہالت کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس حکم میں جو قرآن اور تمام معصومینؑ کے ارشادات میں موجود ہے اور اس حکم میں جو صرف ایک معصوم سے ثابت ہے، ذرہ برابر کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ قرآن اور عقل کے فیصلے کے مطابق ایک قول سب کا قول اور ایک کی آواز سب کی آواز ہے، سب قرآن کے ہم زبان اور ہمسر ہیں اور آج تک ہمیں تاریخ میں یہ نظر نہیں آیا کہ ایک معصومؑ کے قول کو دوسرے معصومؑ نے رد کیا ہو اور اسے باطل قرار دیا ہو کیونکہ ان سب کا علم خدا اور اس کے رسولؐ سے حاصل کیا ہوا علم ہے اور علم کا بعض حصہ ہی نہیں بلکہ کل علم خدا اور رسولؐ سے حاصل کیا ہوا ہے تو بھلا ان کے درمیان اختلاف کیسے ممکن ہے، اسی لئے یہ بات امیر المومنینؑ کی زبانی نقل ہوئی ہے کہ: اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ، اَوْسَطُنَا مُحَمَّدٌ، اٰخِرُنَا مُحَمَّدٌ وَکُلُّنَا مُحَمَّدٌ، ہمارا اول بھی محمد ہے، درمیانہ بھی محمد ہے اور آخر بھی محمد ہے بلکہ ہم سب کے سب محمد ہیں۔(۱) یعنی ہمارے گفتار اور کردار میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ جو حکم ہمارا اول بیان کرے گا وہی حکم ہمارا آخر بھی بغیر کسی کم وبیشی کے بیان کرے گا۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں ہمارے برادران اہل سنت کے ائمہ ایک دوسرے کے شاگرد ہیں اور ان کا نظریہ اور حکم ایک نہیں ہوا بلکہ چار مختلف مذاہب وجود میں آئے، جبکہ ان میں سے ایک دوسرے کے زمانہ کا فاصلہ بھی اتنا طویل نہیں تھا۔ یہ مکتب اہل بیت پر خداوند تعالیٰ کی نظر کرم ہے کہ انہیں ایسے ہادی عطا کئے جن کے اقوال اور افعال میں کوئی تضاد نہیں ہے اور کئی صدیوں کا فاصلہ آنے کے باوجود بھی ان کے اقوال اور کردار میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے بلکہ بعد والا معصومؑ پہلے والے معصومؑ کے قول کی

.....

۱۔ بحار الانوار ج ۲۶ ص ۵

تائید کرتا ہے اور اس کی مزید وضاحت کرتا ہے۔ اگر اس سلسلے میں غور وفکر کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کی بنیادی وجہ وہ فرق ہے جو خدا کے بنائے ہوئے امام اور ہمارے بنائے ہوئے امام کے درمیان ہے، خدا کے منتخب کردہ رہنماؤں کے اقوال وافعال میں کوئی فرق نہیں ہوتا لیکن ہمارے بنائے ہوئے رہنماؤں کے قول وفعل کے درمیان آپس میں بہت تضاد ہوتا ہے بلکہ ایک امام کے اپنے اقوال وافعال میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔

بہر حال حدیث کے حوالے سے یہ کہنا کہ چونکہ یہ حدیث فلاں کتاب میں ہے اس لئے صحیح ہے اور اور فلاں کتاب میں نہیں اس لئے غلط ہے دوسری نادانی ہے۔

پس اگر اجتہاد کے بارے میں ایک معصوم سے صحیح حدیث نقل ہوتی ہے تو اسے تمام معصومینؑ کی حدیث سمجھنا چاہیے، یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ یہ حدیث فلان معصومؑ سے نقل ہوئی ہے لیکن دوسرے معصومینؑ سے نقل نہیں ہوئی اس لئے حجت نہیں ہے، یا یہ حدیث صرف فلاں کتاب میں ہے دوسری کتابوں میں نہیں ہے اس لئے درست نہیں ہے، کیونکہ جب حدیث کی صحت ثابت ہوجائے تو ایک کتاب میں ہو یا متعدد میں، ایک معصومؑ سے نقل ہو یا متعدد سے، کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ان سب کا کلام ایک ہے اور سب کی گفتار ایک ہے۔ آپ کے سامنے چند اقوال معصومینؑ پیش کرتے ہیں جو اجتہاد اور تقلید کو صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

پہلی حدیث:

امام حسن عسکریؑ ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ كَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ صَائِنًا لِنَفْسِهِ حَافِظًا لِدِيْنِهِ مُخَالِفًا لِهَوَاهُ مُطِيْعًا لِاَمْرِ مَوْلَاهُ فَلِلْعَوَامِ اَنْ يُقَلِّدُوْهُ، ہمارے فقہاء میں سے وہ فقیہ جو اپنے دین کی حفاظت کرتا ہو، اپنے نفس کو بچاتا ہو، اپنی

خواہشات نفسانی کی مخالفت کرتا ہو اور اپنے مولا کے امر کی اطاعت کرتا ہو تو عوام کو چاہیے کہ ایسے فقیہ کی تقلید کریں۔(۱)

ہمیں چاہیے کہ اس قول کی تصدیق کریں اور اس کے پیغام پر عمل کریں تا کہ خدا اور معصومینؑ کے نزدیک سرخرو ہوسکیں۔آخر ہم اس حکم کا انکار کر کے بارگاہ الٰہی میں معذرت پیش کرنے کا کون سا بہانہ تلاش کریں گے؟۔

اس حدیث میں امام حسن عسکریؑ نے صراحت کے ساتھ یہ بیان فرمایا ہے کہ جن فقہاء کے اندر یہ تمام خوبیاں موجود ہوں یعنی وہ سب سے پہلے اپنے نفس کو برائیوں سے بچا کر رکھے اگر چہ نفس بری چیزوں کا حکم دیتا ہے اور حضرت یوسفؑ جیسا پیغمبر نفس انسانی کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں: اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ، بے شک نفس برائی کا حکم دیتا ہے۔(۲) اس کے باوجود اگر فقیہ اپنے نفس کو دنیا کی پلیدی اور خباثت سے بچا کر رکھے، اپنے دین کی حفاظت کرے، اپنے دین کو درہم و دنیار کے مقابلے میں فروخت نہ کرے اور مال دنیا کے لالچ میں وقت کے ظالم و جابر حکمرانوں کی ہاں میں ہاں نہ ملائے، ان کے غلط افعال کی شریعت کے مطابق تاویل کرنے کی کوشش نہ کرے، اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرے اور خدا کی راہ میں اپنی خواہشات کو شکست دے، اپنے پروردگار کے ہر حکم کی تعمیل کرے، کوئی بہانہ بنائے بغیر اپنے مولا کے فرامین پر عمل کرے تو عوام کو چاہیے کہ وہ ایسے فقیہ کی تقلید کریں کیونکہ یہ تمام احکامات اور فرامین انسان کی ہدایت اور تکامل کے لئے آئے ہیں، اگر ان پر عمل کیا جائے تو انسان معراج انسانیت پر فائز ہوجاتا ہے اور تکامل کی منزلیں طے کرتے ہوئے

۱۔وسائل الشیعہ ج ۲۷ ص ۱۳۱ ۲۔سورہ یوسف آیت ۵۳

اشرف المخلوقات کے عظیم رتبے پر فائز ہوجاتا ہے۔اگر فقہاء کے اندر یہ خصوصیات موجود ہوں تو عوام کو چاہیے کہ وہ ان فقہاء کی تقلید کریں کیونکہ یہ تمام صفات انبیاء الٰہیؑ اور اولیاء الٰہیؑ کی خصوصیات ہیں، پس جو فقیہ انبیاءؑ اور اولیاءؑ کی پیروی کرتے ہوئے ان اخلاق حسنہ کا حامل ہو عوام کو بلا چوں و چرا اس کی تقلید کرنی چاہیے کیونکہ عوام کی رہنمائی کے لئے ہمارے ائمہ معصومینؑ نے ان شخصیتوں کو معین کیا ہے۔

دوسری حدیث:

ہمارے زمانہ کے امامؑ اسی حوالے سے فرماتے ہیں کہ: اَمَّا الْحَوَادِثُ الْوَاقِعَةُ فَارْجِعُوْا فِيْهَا اِلٰى رُوَاةِ حَدِيْثِنَا فَاِنَّهُمْ حُجَّتِيْ عَلَيْكُمْ وَاَنَا حُجَّةُ اللهِ عَلَيْهِمْ، جدید پیش آنے والے مسائل میں ہماری حدیثوں کو بیان کرنے والوں کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ تم پر میری طرف سے حجت ہیں اور میں خدا کی جانب سے ان پر حجت ہوں۔(۱)

ائمہ معصومینؑ کے دور میں جتنے بھی مسائل درپیش آتے تھے وہ ان کا جواب تفصیلاً طلب حق کی جستجو رکھنے والے افراد کو بیان فرماتے تھے لیکن آج کل کے دور میں جو جدید مسائل پیش آتے ہیں ان کے حوالے سے بندگان خدا پریشان ہوتے ہیں کیونکہ یہ مسائل ائمہ معصومینؑ کے دور میں نہیں تھے تاکہ ان مسائل کا جواب ہم ان کے اقوال میں ڈھونڈیں، لہٰذا معصومینؑ کو ہمیں پیش آنے والی صورت حال کا علم تھا اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ جدید پیش آنے والے مسائل کا حل بھی ہماری حدیثوں میں موجود ہے لیکن ہر عام وخاص ان حدیثوں سے جواب حاصل کرنے کی صلاحیت واہلیت نہیں رکھتا لہٰذا عوام

.....

۱۔احتجاج طبرسی ج ۲ ص ۴۶۹

کو اپنے جدید مسائل کو حل کرنے کے لئے ان فقہاء کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو مختلف علوم وفنون کی مدد سے ہماری حدیثوں سے صحیح جواب نکالنے کی اہلیت رکھتے ہیں، عوام کو خود اپنی طرف سے من مانی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے کیونکہ ہم خدا کی طرف سے اس روئے زمین پر موجود مخلوقات پر حجت ہیں اور جب ہم خود موجود نہ ہوں تو لوگوں کو راہنمائی حاصل کرنے کا دروازہ دکھا کر رکھتے ہیں تا کہ بوقت ضرورت عوام اس دروازے پر جا کر اپنے مسائل کا حل معلوم کریں اور وہ دروازہ فقہاء کا دروازہ ہے، یہ فقہاء میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں خدا کی طرف سے ان پر حجت ہوں۔

یہاں پر حجت ہونے سے کیا مراد ہے؟ امامؑ نے فرمایا کہ فقہاء میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور فقہاء پر خدا کی طرف سے میں حجت ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی جانب سے ہادی اصلی امام زمانہؑ ہیں، امامؑ کی غیبت کبری کے زمانے میں لوگوں کے ذہن میں یہ سوال بار بار اٹھے گا کہ ہم جدید پیش آنے والے مسائل کا حل کس سے پوچھیں؟، کون ہماری رہنمائی کرے گا؟، لوگوں کی اسی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے امام زمانہؑ نے فقہاء کو اپنا نائب بنایا تا کہ ان کی غیر موجودگی میں مومنین پریشان نہ ہوں بلکہ وہ اپنے مسائل کے حل کے لئے جامع الشرائط فقیہ کی طرف رجوع کریں۔

یہ بھی امام زمانہؑ کی مہربانی ہے کہ انہوں نے ہماری رہنمائی کے لئے فقہاء کو معین کیا ورنہ تو امام زمانہؑ کے غیبت میں چلے جانے کا سبب ہم خود ہیں، امام زمانہؑ اپنی غیبت کا سبب شیخ مفید کو لکھے گئے توقیع (توقیع کا مطلب یہ ہے کہ امام زمانہؑ کو کوئی خط لکھا جائے اور امامؑ اسی خط کے نیچے جواب تحریر کر کے واپس بھیج دیں) میں اس طرح بیان فرماتے ہیں: لَوْ اَنَّ اَشْیَاعَنَا وَفَّقَهُمُ اللّٰهُ لِطَاعَتِهٖ عَلٰی اجْتِمَاعٍ مِنَ الْقُلُوْبِ فِی الْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ عَلَیْهِمْ لَمَا تَأَخَّرَ عَنْهُمُ الْیَمِیْنُ بِلِقَائِنَا وَلَتَعَجَّلَتْ لَهُمُ

السَّعَادَةُ بِمُشَاهَدَتِنَا عَلَى حَقِّ الْمَعْرِفَةِ وَصِدْقِهَا مِنْهُمْ بِنَا، فَمَا يَحْبِسُنَا عَنْهُمْ إِلَّا مَا يَتَّصِلُ بِنَا مِمَّا نُكْرِهُهُ وَلَا نُؤْثِرُهُ مِنْهُمْ، اگر ہمارے شیعہ (اللہ تعالیٰ انہیں اپنی اطاعت کی توفیق عنایت فرمائے) ایک دل اور متحد ہوکر ہمارے ساتھ باندھے گئے عہد و پیمان کو وفا کرتے تو ہمارا احسان اور ہماری ملاقات کا شرف وفیض ان سے ہرگز مؤخر نہ ہوتا اور بہت جلد کامل معرفت اور سچی پہچان کے ساتھ ہمارے دیدار کی سعادت ان کو نصیب ہوجاتی۔ پس ہمیں شیعوں سے صرف اور صرف ان کے ایک گروہ کے کردار نے پوشیدہ کر رکھا ہے جو کردار ہمیں پسند نہیں اور ہم ان سے اس کردار کی توقع نہیں رکھتے تھے۔(۱)

لوگوں نے آپؑ کی اطاعت وحمایت کے لئے قیام نہیں کیا، حضرتؑ سے جو عہد ولایت کیا تھا اس کو وفا کرنے کے لئے متحد اور اکھٹے نہیں ہوئے لہٰذا آپؑ کی غیبت کی اساسی علت کو لوگوں میں تلاش کرنی چاہیے اور غیبت کی تمام تر ذمہ داری لوگوں پر عائد ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب معاشرہ حجت الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کردے اور اس کے فرمان کی اطاعت نہ کرے تو حجت خدا خانہ نشین ہوجائیں گے اور اگر گھر میں سکھ کا سانس نہ لینے دیں اور ان کی جان کے درپے ہوجائیں تو وہ ناچار اور مجبوراً غائب ہوجائیں گے جب تک ان کے ظہور کی شرائط کامل نہ ہوں اور لوگ دل وجان سے آپ کے احکامات پر عمل درآمد نہ کریں آپ پوشیدہ زندگی گزاریں گے۔

اگر وہ اپنی مرضی سے پردہ غیبت میں تشریف لے جاتے تو ہر حال میں ان کی ذمہ داری بنتی تھی کہ وہ لوگوں کی رہنمائی کرتے رہیں، چاہے خود رہنمائی کریں یا کسی اور

.....

۱۔ احتجاج طبرسی ج ۲ ص ۴۹۸

کے ذریعے رہنمائی کریں۔ لیکن امام زمانہؑ کے پردہ غیبت میں تشریف لے جانے کا سبب ہم خود ہیں، کوتاہی ہماری طرف سے ہے، اس کے باوجود ان کا رہنمائی کے لئے فقہاء کو معین کرنا ان کی طرف سے لطف اور ہمارے اوپر منت واحسان ہے۔

پس نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں جدید پیش آنے والے مسائل میں مجتہدین کی طرف رجوع کرنا ہے اس صورت میں اگر کسی شخص کو کوئی مسئلہ پیش آئے اور وہ بغیر کسی تحقیق کے اپنی طرف سے اس پر عمل کرے اور غلطی کا شکار ہو جائے تو قیامت کے دن خدا اس سے پوچھے گا کہ تم نے یہ عمل غلط طریقے سے کیوں انجام دیا؟ اس وقت اگر وہ یہ کہے کہ مجھے اس کا علم نہیں تھا لہٰذا میں نے اپنی طرف سے عمل کیا لیکن وہ عمل غلط انجام پایا تو اس صورت میں خدا اس کا یہ عذر قبول نہیں کرے گا، بلکہ اس کو کہا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہاری ذمہ داری یہ نہیں لگائی تھی کہ اپنے جدید مسائل یا ان مسائل میں جن کا حکم تمہیں معلوم نہیں ہے اپنے زمانے کے فقیہ کی طرف رجوع کرو، تمہاری یہ ذمہ داری بنتی تھی کہ جامع الشرائط مجتہد کی طرف رجوع کرو نہ یہ کہ اپنی طرف سے اس عمل کو اپنی چاہت کے مطابق انجام دو لہٰذا اس کا عذر قابل قبول نہیں ہے اور اس کے خلاف حجت قائم کی جائے گی۔

اس عبارت سے ایک اور مطلب بھی ہم پر ثابت ہو جاتا ہے فقہاء خدا کی طرف سے ہم پر حجت نہیں ہیں بلکہ امامؑ کی طرف سے فقہاء ہم پر حجت ہیں، اگر فقہاء بارہ راست وبلا واسطہ خدا کی طرف سے حجت ہوتے تو امامؑ کو یوں بیان فرمانا چاہیے تھا کہ: فَاِنَّهُمْ حُجَجُ اللهِ عَلَيْكُمْ ، یعنی فقہاء خدا کی طرف سے تم پر حجت ہیں، جب کہ امام زمانہؑ نے اس طرح بیان نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ: فَاِنَّهُمْ حُجَّتِيْ عَلَيْكُمْ وَاَنَا حُجَّةُ اللهِ عَلَيْهِمْ ، وہ تم پر میری طرف سے حجت ہیں اور میں خدا کی جانب سے ان پر حجت ہوں یعنی یہ میرے نائب ہیں۔ لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کرنا اور انہیں تمام مسائل

زندگی سے آگاہ کرنے کی اصلی ذمہ داری امام معصومؑ کی ہے، ان کی غیر موجودگی میں فقہاء امامؑ کی طرف سے عوام پر حجت ہیں، اور امام زمانہؑ فقہاء پر حجت ہیں۔

تیسری حدیث:

رسول اسلامؐ نے ارشاد فرمایا: اَلْفُقَهَاءُ اُمَنَاءُ الرُّسُلِ، فقہاء، رسولوں کے امین ہیں۔(۱)

خداوند تعالیٰ نے اپنے دین کے احکامات انبیاء کے حوالے کئے تا کہ وہ امانت داری کے ساتھ ان احکامات کو بغیر کسی کمی وبیشی کے عوام تک پہنچا دیں اور انبیاءؑ نے یہ ذمہ داری اچھے طریقے سے نبھائی اور بغیر کسی اضافہ یا کمی کے تمام احکامات الٰہی عوام تک پہنچا دیئے کیونکہ ہمارے عقیدے کے مطابق انبیاءؑ معصوم ہیں۔ انبیاءؑ کے بعد ائمہ معصومینؑ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ احکامات الٰہی سے لوگوں کو آگاہ کرتے رہیں اور انبیاءؑ نے جو امانت ان کے حوالے کی تھی اس میں کبھی خیانت نہیں کی، انہوں نے بھی اپنا وظیفہ شرعی اچھی طرح نبھایا اور احکامات خداوندی کو لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ ائمہ معصومینؑ کی غیر موجودگی یعنی غیبت کے زمانے میں پیغمبر اسلامؐ نے یہ ذمہ داری فقہاء کی لگائی ہے کہ جس طرح انبیاءؑ اور ائمہ معصومینؑ احکام خداوندی کو بغیر کسی کمی وبیشی کے لوگوں تک پہنچاتے تھے اب یہ ذمہ داری فقہاء کی ہے کہ وہ بھی بغیر کسی کمی وبیشی کے تمام احکامات الٰہی، عوام تک پہنچائیں، انبیاء کی امانت کی حفاظت کریں اور اس کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت کریں اور ان کی مشکلات کو حل کریں۔

.....

۱۔ مستدرک الوسائل ج ۱۴ ص ۱۲۴، نوادر الراوندی ص ۲۷، منیۃ المرید ۱۶۳، کشف الغمۃ ج ۲ ص ۸۹

چوتھی حدیث:

امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: اِنَّ الْمُؤْمِنِیْنَ الْفُقَهَاءَ حُصُوْنُ الْاِسْلَامِ كَحِصْنِ سُوْرِ الْمَدِیْنَةِ لَهَا، مومن فقہاء اسلام کے قلعے ہیں جس طرح شہر کی دیواریں اس شہر کی حفاظت کا کام کرتی ہیں۔(۱)

ہر عاقل انسان اپنی قیمتی اشیاء کو محفوظ رکھنے کے لئے حفاظت کا انتظام کرتا ہے، گھر کی حفاظت کے لئے چار دیواری کھڑی کرتا ہے، اپنے ملک کی حفاظت کے لئے باڈر کی حفاظت کرتا ہے تاکہ شر اور فساد پھیلانے والوں سے اپنی قیمتی اشیاء کو بچا کر رکھے۔ خداوند تعالیٰ نے بھی اپنے دین کی حفاظت کے لئے انبیاءؑ اور ائمہ کا انتخاب کیا۔ ان کی غیر موجودگی میں خدا نے فقہاء کی ذمہ داری لگائی کہ جس دین کو انبیاء نے کافی زحمتیں اور مشقتیں برداشت کر کے تکمیل کے مرحلہ تک پہنچایا ہے اس دین کی حفاظت کریں اور کسی بے دین شخص کو اس میں رخنہ ڈالنے نہ دیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ اور ائمہ معصومینؑ کی طرف ہزاروں جھوٹی حدیثوں کی نسبت دی گئی ہے تاکہ بنی امیہ اور بنی عباس اپنے مذموم مقاصد کو پورا کریں اور دین اسلام کو مخدوش کر دیں یا مختلف مقاصد کے لئے لوگوں نے جھوٹی حدیثیں گھڑی تاکہ اپنے غیر منطقی عقیدے کو رسول اسلامؐ کی طرف نسبت دے کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک سکیں۔ لیکن خدا نے بھی اس امر کا اہتمام کر لیا کہ دین اسلام کی حفاظت ہر صورت میں کی جائے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ، اس ذکر کو ہم نے نازل کیا ہے

۱۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۸

اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔(۱)

احکام اسلامی کو بیان کرنے والی احادیث میں سے جھوٹی حدیثوں کو الگ کرنے کے لئے اور مشکل وقت میں دین خدا کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے فقہاء کو معین کیا۔ دین اسلام پر ہونے والے اشکالات کے جوابات دینے کے لئے فقہاء ہمیشہ تیار رہتے ہیں تا کہ مغربی میڈیا مسلمانوں اور دوسرے سادہ لوح لوگوں کے معصوم اذہان کو مسموم نہ کر سکے۔

پانچویں حدیث:

امیر المومنینؑ نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: تَفَقَّهْ فِي الدِّيْنِ فَاِنَّ الْفُقَهَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلٰكِنَّهُمْ وَرَّثُوْا الْعِلْمَ ، دین میں تفقہ کیا کرو کیونکہ فقہاء انبیاءؑ کے وارث ہیں ، انبیاءؑ وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے لیکن علم وراثت کے طور پر چھوڑ جاتے ہیں۔اس کے بعد فرماتے ہیں :فانّ الفقهاء هم الدعاة الى الجنان، بیشک فقہاء ہی جنت کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔(۲)

اس حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ بیان فرمایا ہے کہ انبیاءؑ وراثت میں مال ومتاع نہیں چھوڑتے بلکہ ان کا سرمایہ علم ہوتا ہے اور جس شخص کے پاس یہ سرمایہ ہو وہ خود بخود انبیاءؑ کا وارث بن جاتا ہے۔

ہر آدمی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ جنت میں جائے اور ہمارے مکتب کے نظریہ کے مطابق انسان اپنے اعمال کے ذریعہ جنت میں جاتا ہے۔جس چیز کو خدا نے

.....

۱۔سورہ حجر آیت ۹۔ ۲۔من لایحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۳۸۴،عوالی الئالی ج ۴ ص ۶۰

حرام قرار دیا ہے اسے ترک کرے اور جس چیز کو واجب قرار دیا ہے اسے انجام دے۔ فقہاء ہمیں یہی بتاتے ہیں کہ ہم پر کونسی چیز واجب ہے اور کونسی چیز حرام۔ اسی لئے امامؑ نے فرمایا کہ فقہاء جنت کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ پس جس شخص نے فقہاء کے فرمان پر عمل کیا اس نے جنت حاصل کی اور جس نے اس سے منہ موڑا اس نے اپنا ہی نقصان کیا۔

چھٹی حدیث:

علی بن حمزہ سے روایت ہے کہ: قَالَ لِیْ اَبُوْ الْحَسَنِ مُوْسَی بْنَ جَعْفَرٍ مُبْتَدِأً مِنْ غَیْرِ اَنْ اَسْئَلَهُ یَلْقَاكَ غَدًا رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْمَغْرِبِ یُقَالُ لَهُ یَعْقُوْبُ یَسْئَلُكَ عَنِّیْ فَقُلْ لَهُ هُوَ الْاِمَامُ الَّذِیْ قَالَ لَنَا اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ وَاِذَا سَئَلَكَ عَنِ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ فَأَجِبْهُ عَنِّیْ، امام موسی کاظمؑ نے میرے کچھ کہے بغیر خود ابتداء کر کے فرمایا کہ کل تمہارے پاس اہل مغرب میں سے ایک شخص آئے گا جس کا نام یعقوب ہوگا، وہ تجھ سے میرے بارے میں پوچھے گا، تم کہنا کہ وہ امام ہیں جس کی امامت کے بارے میں امام جعفر صادقؑ ہمیں بتا کر گئے ہیں اور اگر وہ تجھ سے حلال اور حرام کے بارے میں پوچھے تو میری طرف سے جواب دینا۔(۱)

یہاں وضاحت اور صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ مسائل حلال وحرام کو بیان کرنے والا عالم اور فقیہ، امامؑ کا نائب ہوتا ہے پس جس طرح لوگوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ مسائل حلال وحرام میں امامؑ سے رجوع کریں اسی طرح امامؑ کی غیر موجودگی میں ان کے نائب کی طرف رجوع کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ فقہاء امامؑ کے نائب ہیں۔

.....

۱۔ الاختصاص ج ۱ ص ۸۹

جدید پیش آنے والے مسائل میں عوام کو چاہیے کہ وہ فقہاء کی طرف رجوع کریں تا کہ وہ قرآن وسنت کے مطابق انہیں حکم الٰہی سے آگاہ کریں اور عوام کے لئے آسانی کے ساتھ احکام الٰہی پر عمل کرنا ممکن ہو سکے۔ اگر فقہاء یہ ذمہ داری نہ سنبھالیں تو عوام کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ عوام کو معلوم ہے کہ جو بھی جدید مسئلہ پیش آئے گا اس کا کوئی نہ کوئی حکم شرعی ضرور ہوگا لیکن دوسری طرف سے عوام کے اندر اتنی استعداد علمی نہیں ہے کہ وہ معصومینؑ کے کلام مبارک سے جدید پیش آنے والے مسائل کا حل نکال سکیں اور لوگ اس خوف اور ان سوالات سے جان چھڑا سکیں کہ انہوں نے جو عمل انجام دیا ہے کیا وہ قرآن وسنت کے مطابق ہے؟، جب وہ مجتہد کی تقلید کر کے اس حکم پر عمل کرتے ہیں تو انہیں سکون کا احساس ہوتا ہے کہ ہم نے قرآن وسنت کے قوانین کے مطابق عمل کیا ہے کیونکہ مجتہد قرآن وسنت سے ہٹ کر، اپنی رائے اور خواہش کے مطابق ایسا کوئی حکم نہیں بتاتا جو قرآن وسنت کے مخالف ہو بلکہ مختلف علوم کی مدد سے قرآن وسنت کا حکم ہی عوام کے سامنے پیش کرتا ہے تا کہ عوام کو عمل کرنے میں آسانی رہے۔

دوسرا نکتہ جو اس حدیث سے سمجھ میں آتا ہے جس طرح علی بن حمزہ، عوام اور امام موسی کاظمؑ کے درمیان رابطہ بنے اور امامؑ کی جانب سے یعقوب کو جواب دیا اسی طرح آج کے دور میں فقہاء امام زمانہؑ اور عوام کے درمیان رابطہ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ جس طرح انبیاءؑ وائمہ معصومینؑ عوام اور خدا کے درمیان رابطہ کا فریضہ انجام دیتے ہیں اسی طرح فقہاء بھی عوام اور امام زمانہؑ کے درمیان رابطہ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

خداوند متعال سے بلا واسطہ وبراہ راست رابطہ قائم کرنے کے لئے انسان کے اندر اتنی استعداد اور اہلیت نہیں ہے کہ انسان بغیر کسی واسطے کے خدا سے احکامات وصول کرے، بلکہ کسی نبی کی ضرورت ہے کہ وہ احکامات خداوندی لا کر بندوں کے حوالے کرے

، اگر چہ خدا کی طرف سے یہ مشکل درپیش نہیں ہے، وہ تو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، لیکن انسان کے اندر اتنی استعداد نہیں ہے کہ وہ اپنے خالق سے بلا واسطہ و براہ راست احکامات وصول کرے۔ یہی صورتحال امام زمانہؑ اور ہمارے درمیان ہے، حالات وواقعات اور ہمارا ایک امر پر متحد نہ ہونا جیسا کہ پہلے بیان ہوا، امام زمانہؑ اور ہمارے درمیان دوری کا سبب بنے اور ہم اپنے مسائل بلا واسطہ و براہ راست ان کی بارگاہ میں پیش نہیں کر سکتے لہٰذا امام زمانہؑ نے درمیانی واسطے کا فریضہ فقہا کے ذمہ لگایا اور فقہاء ان کی احادیث اور روایات سے حکم الٰہی کو استنباط کر کے ہم تک پہنچاتے ہیں۔

ساتویں حدیث:

امام محمد باقرؑ ارشاد فرماتے ہیں: يَا اَبَانُ اِجْلِسْ فِيْ مَسْجِدِ الْمَدِيْنَةِ وَاَفْتِ النَّاسَ فَاِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ يُرَىٰ فِيْ شِيْعَتِيْ مِثْلُكَ، اے ابان! شہر کی مسجد میں جا کر بیٹھ جاؤ اور لوگوں کو فتوی دو، میں اپنے شیعوں میں تم جیسے فتوی دینے والوں کو پسند کرتا ہوں۔(۱)

فتوی دینے کا حق صرف اس شخص کو حاصل ہے جو مجتہد ہو اور احکام پر تفقہ کی صلاحیت رکھتا ہو، ابان مجتہد اور صاحب فتوی تھے اور امامؑ نے انہیں فتوی دینے کا حکم دیا تا کہ لوگ سنیں اور اس پر عمل کریں۔ فتوی اس لئے دیا جاتا ہے کہ لوگ اس کو سننے کے بعد اس پر عمل کریں، اگر فتوی پر عمل نہ کیا جائے تو پھر فتوی دینا لغو ہوگا اور امامؑ کسی لغو بات کا حکم نہیں دے سکتے۔

امامؑ کی نگاہ میں تمام مجتہدین اور صاحبان فتوی ابان کی طرح ہیں، کیونکہ ابان کے اندر تفقہ کی صلاحیت تھی اس لئے امامؑ نے اسے فتوی دینے کا حکم دیا یعنی حکم امامؑ کے

.....

۱۔ مستدرک الوسائل ج ۱۷ ص ۳۱۵، رجال ابن داؤد ص ۱۰

مطابق ہر اس شخص کے لئے جو خود مجتہد نہیں ہے، ضروری ہے کہ وہ اپنے مورد ابتلاء مسائل میں کسی مجتہد کی تقلید کرے اور اس کے فتوؤں پر عمل کرے۔

اب اگر کوئی مجتہد فتوی دیتا ہے تو گویا وہ امامؑ کے حکم پر عمل کرتا ہے کیونکہ امام باقرؑ نے ''وَاَفْتِ النَّاسَ'' کہا ہے یعنی تم فتوی دو، اور یہ بھی کہا کہ ''فَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ یُرَیٰ فِیْ شِیْعَتِیْ مِثْلُكَ'' یعنی میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے شیعوں میں تم جیسے لوگ ہوں۔

امام باقرؑ اپنے شیعوں سے اس بات کی توقع رکھتے ہیں کہ وہ ابان کی طرح فتوی دینے کے قابل بن جائیں، یہ امامؑ کی چاہت ہے کہ شیعہ فتوی دیا کریں پس جو شخص اجتہاد کر کے فتوی دیتا ہے وہ حقیقت میں اپنے امامؑ کی خواہش کو پورا کر رہا ہے اور کوئی بھی مومن اپنے امامؑ کی خواہش کی مخالفت نہیں کر سکتا بلکہ جو شخص امامؑ کی خواہش کو پورا کرنے کا سبب بن رہا ہے اس کے فتوی پر عمل کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس کی مخالفت کی جائے۔

جو لوگ مجتہد کا فتوی سن کر اس پر عمل کرتے ہیں وہ بھی کوئی بدعت نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنے امامؑ کے قول پر ہی عمل کر رہے ہیں، کیونکہ امامؑ کا یہ کہنا: ''وَاَفْتِ النَّاسَ'' یعنی لوگوں کو فتوی دو، اسی بناء پر تھا کہ لوگ فتوی سن کر اس پر عمل کریں لہٰذا جو مجتہد فتوی دیتا ہے وہ قول امامؑ پر عمل کرتا ہے اور جو شخص فتوی سن کر اس پر عمل کرتا ہے وہ بھی امامؑ کے قول پر عمل کرتا ہے۔

یہاں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو شخص بھی اجتہاد و تقلید کے خلاف باتیں کرتا ہے وہ حقیقت میں امامؑ کے قول کے مقابلے میں لوگوں کو اپنے قول پر عمل کرنے کی دعوت دے رہا ہوتا ہے کیونکہ امامؑ نے تو مجتہد (ابان) کو فتوی دینے کا حکم دیا ہے اور فتوی دینے کا لازمہ یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے جبکہ مخالفت کرنے والا فتوی دینے کی مخالفت کرتا ہے اور لوگوں کو اس

پر عمل کرنے سے باز رکھنا چاہتا ہے۔ تو گویا وہ امامؑ کے حکم پر عمل کرنے کے بجائے لوگوں کو اپنے احکامات پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے، امام معصومؑ کہہ رہے ہیں کہ اجتہاد کرنے والے مجتہدین کی تقلید کرو جبکہ وہ کہہ رہا ہے کہ میری بات مانو اور مجتہدین کی تقلید نہ کرو۔

آٹھویں حدیث:

معاذ بن مسلم سے منقول ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ان سے پوچھا: بَلَغَنِیْ اَنَّکَ تَقْعُدُ فِی الْجَامِعِ فَتُفْتِی النَّاسَ قُلْتُ نَعَمْ اِنِّیْ اَقْعُدُ فِی الْمَسْجِدِ فَیَجِیْءُ الرَّجُلُ اَعْرِفُهُ بِمَوَدَّتِکُمْ وَحُبِّکُمْ فَاُخْبِرُهُ بِمَا جَاءَ عَنْکُمْ فَقَالَ لِیْ اِصْنَعْ کَذَا فَاِنِّیْ کَذَا اَصْنَعُ، مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ تم مسجد جامع میں بیٹھتے ہو اور لوگوں کو فتوی دیتے ہو، میں نے کہا، جی ہاں، میں مسجد میں بیٹھتا ہوں اور لوگ آتے ہیں اور مجھے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کے دل میں آپ کی مودت اور محبت ہے تو جو کچھ میں نے آپ سے حاصل کیا ہے وہ آپ کے ماننے والوں کو بتا دیتا ہوں۔ امامؑ نے فرمایا: ہاں ایسا ہی کیا کرو، میں بھی اسی طرح عمل کر رہا ہوں۔(۱)

معاذ بن مسلم روایات معصومینؑ سے استنباط کر کے حکم الٰہی فتوی کی صورت میں لوگوں کو بیان کرتے تھے۔ اپنی جانب سے کوئی حکم بیان نہیں کرتے تھے جیسا کہ ''فَاُخْبِرُهُ بِمَا جَاءَ عَنْکُمْ یعنی جو کچھ آپ سے میں نے حاصل کیا ہے میں اسی کی خبر دیتا ہوں'' سے واضح ہے۔ اور امامؑ نے بھی معاذ کے عمل کی تائید فرمائی۔

امامؑ کی نظر میں معاذ اور دوسرے مجتہدین برابر ہیں کیونکہ معاذ بھی روایات اور احادیث معصومینؑ سے احکام کو اخذ کرتے تھے اور اسے لوگوں کو بیان کرتے تھے اور

.....

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۲۷ ص ۱۴۸

دوسرے مجتہدین بھی یہی عمل انجام دیتے ہیں لہٰذا امامؑ کی نظر میں ان سب میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہے پس مجتہدین کا فتوی لوگوں کے لئے حجت ہے اور لوگوں کے لئے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ خدا نے انبیاءؑ اور ائمہ معصومینؑ کو لوگوں کی ہدایت کے لئے معین کیا ہے اور ان کا کوئی فعل خدا کے اذن کے بغیر نہیں ہوتا لہٰذا خدا کے حکم سے ہی ائمہ معصومینؑ نے عوام الناس کو فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔

نویں حدیث:

عبدالعزیز نامی ایک شخص امام رضاؑ کی خدمت میں آیا اور آپؑ سے پوچھا کہ: لَا اَکَادُ اَصِلُ اِلَیْکَ اَسْئَلُکَ عَنْ کُلِّ مَا اَحْتَاجُ اِلَیْہِ مِنْ مَعَالِمِ دِیْنِیْ اَفَیُوْنُسُ ابْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ثِقَۃٌ آخُذُ عَنْہُ مَا اَحْتَاجُ اِلَیْہِ مِنْ مَعَالِمِ دِیْنِیْ فَقَالَ نَعَمْ، مولا جو مسائل مجھے پیش آتے ہیں ان کا جواب حاصل کرنے کے لئے میں آپ کی خدمت میں نہیں پہنچ سکتا کیا یونس بن عبدالرحمن ثقہ اور قابل اعتماد ہیں کہ میں ان سے اپنے لئے پیش آنے والے مسائل کا حل دریافت کروں؟، امام نے جواب دیا: ہاں دریافت کرلو۔(۱)

اس حدیث میں عبدالعزیز جس یونس بن عبدالرحمن کے بارے میں پوچھ رہا ہے وہ کوئی معصوم نہیں ہے وہ بھی ایک صحابی امامؑ ہے جس کے پاس امام رضاؑ سے جمع کی گئی احادیث اور امامؑ سے حاصل کیا گیا علم ہے۔ اسی وجہ سے عبدالعزیز امام رضاؑ سے ان کے مورد اعتماد ہونے کے بارے میں پوچھ رہا ہے تاکہ وہ ان سے اپنے دینی مسائل کا حل دریافت کرسکے۔ یونس بن عبدالرحمن میں جو خصوصیت تھی وہ یہی تھی کہ وہ اقوال ائمہ

.....

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۲۷ ص ۱۴۷، رجال الکشی ۴۹۰

معصومینؑ سے حکم شرعی کو استنباط کر کے عوام کے سامنے پیش کرنے کی اہلیت رکھتے تھے، اس لئے عبدالعزیز نے اسی کے بارے میں پوچھا۔ پس جہاں بھی، جس زمانے میں بھی امام وقتؑ سے اپنے احکام شرعی کا حل معلوم کرنا ممکن نہ ہو تو علوم آل محمدؐ سے واقف شخصیات سے ان مسائل کا حل معلوم کرنا چاہیے تا کہ عوام کو پریشانی کا سامنا کرنا نہ پڑے۔

دسویں حدیث:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِیْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قِیْلَ لَهُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ خُلَفَائُكَ قَالَ الَّذِیْنَ یَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ وَیَرْوُوْنَ اَحَادِیْثِیْ وَسُنَّتِیْ فَیُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ مِنْ بَعْدِیْ، رسول اسلامؐ نے ارشاد فرمایا: پروردگار! میرے خلفاء پر رحم فرما، اور آپ نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا۔ آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! آپ کے خلفاء وجانشین کون لوگ ہیں؟ تو حضورؐ نے فرمایا: وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے اور میری احادیث اور سنت نقل کریں گے اور میرے بعد لوگوں کو ان کی تعلیم دیں گے۔(۱)

اس حدیث میں رسول اسلامؐ نے ایک عمومی دعا کی ہے کہ خدا ان پر رحم کرے جو ان کی احادیث اور سنت کو بیان کریں۔ اس میں سب سے پہلے ائمہ معصومینؑ شامل ہیں کیونکہ حقیقی سنت رسولؐ اور واقعی احادیث رسولؐ کو بیان کرنے والے وہی ہیں۔ دوسرے مرحلے میں علماء اور فقہاء شامل ہوتے ہیں کیونکہ وہ بھی ائمہ معصومینؑ کی متابعت میں احادیث رسولؐ وسنت رسولؐ کو بیان کرتے ہیں۔

یہ بات بدیہی ہے کہ رسول اسلامؐ نے خدا سے رحم کی دعا کیوں کی؟ کیونکہ یہ حضرات رسول خداؐ کی احادیث اور سنت کو نقل کرینگے تو عوام ان پر عمل کرے گی، رسول

۱۔ عیون اخبار الرضا ج ۲ ص ۷۳، مستدرک الوسائل ج ۱۷ ص ۲۸۷

خداؐ کی امت سعادت وکامیابی کا مرحلہ طے کرے گی اور احکام خداوندی کی مخالفت کی پاداش میں عذاب آخرت سے محفوظ رہے گی ،اگر کسی شخص کے ذریعے کسی کی ہدایت ہو اور وہ شخص اسے صحیح راہ پر چلانے کا باعث بنے تو یقینا ایسے آدمی پر خدا رحم کرے گا،جیسا کہ رسول خداؐ نے امیر المؤمنینؑ سے ارشاد فرمایا: اے علی! اگر کوئی شخص تمہاری وجہ سے ہدایت پالے تو یہ بہتر ہے ہر اس چیز سے جس پر سورج کی روشنی پڑتی ہے۔ ورنہ بغیر کسی ہدف کے صرف بیان کرنے میں کوئی مقصد پوشیدہ نہیں ہے،اصلی مقصد یہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح عوام تک حقیقی سنت رسول پہنچ جائے اور وہ اس پر عمل کرے۔سنت رسولؐ اور احادیث رسولؐ کو عوم تک پہنچانے کا ذریعہ ائمہ معصومینؑ اور فقہاء ہیں۔پس یہ نقل احادیث اور نقل سنت رسولؐ ایک پسندیدہ عمل ہے اور ان کو نقل کرنے والا اس قابل ہے کہ اس کی تقلید جائے اور اس تقلید کے ذریعہ اپنی زندگی کو سنت رسولؐ سے ہم آہنگ کیا جائے۔

گیارہویں حدیث:

رسول اسلامؐ نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مِمَّنْ قَدْ رَوَىٰ حَدِيْثَنَا وَنَظَرَ فِيْ حَلَالِنَا وَحَرَامِنَا وَعَرَفَ اَحْكَامَنَا فَلْيَرْضَوْا بِهٖ حُكْمًا فَاِنِّيْ قَدْ جَعَلْتُهُ عَلَيْكُمْ حَاكِمًا فَاِذَا حَكَمَ بِحُكْمِنَا فَلَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ فَاِنَّمَا اسْتُخِفَّ بِحُكْمِ اللّٰهِ وَعَلَيْنَا رُدَّ وَالرَّادُّ عَلَيْنَا الرَّادُّ عَلَى اللّٰهِ وَهُوَ عَلٰى حَدِّ الشِّرْكِ بِاللّٰهِ،تم میں سے جو ہماری احادیث کو بیان کرتا ہو اور ہمارے حلال وحرام پر گہری نظر رکھتا ہو اور ہمارے احکامات کو پہچانتا ہو، دوسروں کو چاہیے کہ وہ ان کے بتائے ہوئے حکم پر راضی ہو جائیں کیونکہ میں نے اسے تم لوگوں پر حاکم بنایا ہے، اگر وہ کوئی حکم بیان کرے اور اس کی بات نہ مانی جائے تو یہ خدا کے حکم کو بے اہمیت سمجھنے کے مترادف ہے اور گویا اس نے ہمارے بتائے ہوئے حکم کو ٹھکرا دیا ہے اور جس نے ہماری بات ٹھکرائی اس نے خدا کی

بات ٹھکرائی اور وہ شرک کی حد تک پہنچ گیا۔(۱)

اس حدیث میں جتنی وضاحت کے ساتھ اجتہاد و تقلید کا مسئلہ بیان کیا ہے شاید کسی اور حدیث میں بیان کیا گیا ہو۔تم میں سے جو شخص بھی ہماری احادیث کی روایت کرے اور وہ ان احادیث کی وجہ سے ہمارے حلال وحرام میں نظریہ قائم کرسکتا ہو تو دوسروں کے لئے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے بلکہ انہیں اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے،اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم نے اسے تم پر حاکم قرار دیا ہے۔

ہم اسی رجوع کو تقلید اور احادیث کو نقل کر کے ان میں حلال وحرام کا نظریہ قائم کرنے کو اجتہاد کہتے ہیں،تقلید کے مخالفین کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں کہ وہ جان بوجھ کر یا انجانے میں کس ہستی کی مخالفت کر رہے ہیں۔

اس کے بعد رسول خداؐ تقلید کی مخالفت کرنے والوں کو مخالفت کا ثمر ان الفاظ میں دکھا رہے ہیں کہ یاد رکھو جس نے اس مرد فقیہ کی بات نہیں مانی اس نے حکم خدا کو اہمیت نہ دی اور ہمارے حکم کو قبول نہ کیا اور جس نے ہمارے حکم کو قبول نہیں کیا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس نے خدا کا حکم قبول نہیں کیا اور جو خدا کے حکم کی مخالفت کرتا ہے وہ مشرک ہوتا ہے۔ہمیں یہاں کوئی نتیجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے،ہم اس کا نتیجہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

تقلید کے مخالفین میں اگر تھوڑی سی بھی عقل یا دین سے ہمدردی کا جذبہ ہے تو یہ حدیث ان کی ہدایت کا باعث بن سکتی ہے۔اپنے غلط نظریہ اور اس کی ترویج پر پشیمان ہونے کا اب بھی وقت نہیں گزرا،ورنہ ایک دن ایسا آئے گا کہ جب پشیمان ہونے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

.....

۱۔وسائل الشیعہ ج ۲۷ ص ۱۳۶

بارہویں حدیث:

امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں: اَلْعُلَمَاءُ حُکَّامٌ عَلَی النَّاسِ ،علماء لوگوں پر حاکم ہیں۔(۱)

اس حدیث میں ایک دلچسپ نکتہ کی طرف اشارہ ہورہا ہے، کچھ لوگ یہ غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور علماء کی ذمہ داری کو صرف اور صرف نماز پڑھانا، قرآن پڑھنا، مجلس پڑھنا، نکاح پڑھنا، میت کو غسل وکفن دینا اور اس قسم کی کچھ دیگر ذمہ داریوں میں منحصر کر دیتے ہیں اور علماء کو مسجد ومنبر تک محصور کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ حقیقت میں دین اسلام کی روح سے نا آشنا ہیں۔

اسلام علماء کی ذمہ داری اس سے بڑھ کر سمجھتا ہے، حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ لوگ جو ذمہ داریاں علماء کے لئے معین کرتے ہیں وہ علماء کی اصلی ذمہ داریاں نہیں ہیں بلکہ یہ امور تو ایک عادل مومن بھی جس کے اندر مطلوبہ شرائط موجود ہوں انجام دے سکتا ہے۔علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے کی ہدایت اور لوگوں کی رہنمائی کریں بالفاظ دیگر علماء کو لوگوں کا حاکم بنایا ہے۔

یہاں حکومت کا مطلب ہے کہ علماء معاشرے کا نظم ونسق سنبھالیں اور لوگوں کی رہنمائی کریں، لوگوں کی مشکلات حل کریں۔ یہ امور ایک ایسا شخص ہی انجام دے سکتا ہے جو سیاسی بصیرت اور انتظامی امور چلانے کی اہلیت رکھنے کے علاوہ احکام دین پر بھی مکمل عبور رکھتا ہو یعنی فقیہ ہو اور معاشرے کی ضروریات سے بھی مکمل آگاہی رکھتا

.....

۱۔مستدرک الوسائل ج ۱۷ ص ۳۲۱

ہو، تا کہ جب اس کی رعایا کو کوئی مسئلہ پیش آئے تو مسئلہ کے حل کے لئے حاکم دوسروں کے پیچھے دوڑتا ہوا نظر نہ آئے بلکہ اس کے اندر خود یہ استعداد اور صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ رعایا کے مسائل حل کرے۔ آج کل کے دور میں اگر چہ ہمیں یہ نظر آتا ہے حاکم کو عدالتی مسائل اور قضاوت کے بارے میں یا احکام کے فتوی کے بارے میں زیادہ آگاہی نہیں ہوتی اسی لئے وہ دوسروں کا محتاج ہو کر رہ جاتا ہے لیکن اسلام کا قانون یہ ہے کہ جو شخص سب سے زیادہ عالم وافضل ہے اسی کو حاکمیت کا حق حاصل ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاءؑ یا ہمارے ائمہ معصومینؑ کے دور میں کوئی ان سے بڑھ کر عالم نہیں تھا لہٰذا جب کوئی مسئلہ ان کے سامنے پیش ہوتا تھا تو یہ فوراً جواب دے دیتے تھے اور سائل کو کسی دوسرے فرد کے پاس بھیجنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

تیرہویں حدیث:

رسول خداؐ نے فرمایا: اِنَّ اَکْرَمَ الْعِبَادِ اِلَی اللهِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ اَلْعُلَمَاءُ، اللہ کے نزدیک انبیاء کے بعد سب سے باعزت علماء ہیں۔(۱)

خدا نے تمام انبیاءؑ کو بہت بڑا مقام ومرتبہ عطا کیا، کیونکہ خدا نے انہیں لوگوں کی ہدایت ، احکام خداوندی کو پہنچانے اور گمراہی سے نکالنے کے لئے بھیجا تھا۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خدا عادل ہے اور جو شخص جس چیز کا مستحق ہے خدا اسے وہ مقام عطا کرتا ہے، انبیاءؑ خدا کی طرف سے معین ہو کر آتے ہیں، معصوم ہیں اور عمل وکردار کے

.....

۱۔ مستدرک الوسائل ج ۴ ص ۲۴۴

پیکر نظر آتے ہیں ،لہٰذا خدا کے نزدیک ان کا مقام ومرتبہ سب سے بلند ہے۔ ائمہ معصومینؑ انبیاء کے جانشین ہیں لہٰذا ان کے مرتبہ تک بھی کوئی نہیں پہنچ سکتا البتہ یہ ایک الگ بحث ہے کہ کی ائمہ معصومینؑ کا مقام ومرتبہ بلند ہے یا انبیاء کا، اس سلسلے میں مکتب اہل بیت کا عقیدہ یہ ہے کہ حبیب خدا محمد مصطفیٰ ؐ کی ذات گرامی کے بعد تمام انبیاءؑ پر ائمہ معصومینؑ کو فضیلت حاصل ہے۔ اس کے بعد علماء کی منزل آتی ہے وہ انبیاءؑ کی پیروی کرتے ہوئے لوگوں تک احکام الٰہی کو پہنچاتے ہیں، ان کی ہدایت کرتے ہیں اور انہیں گمراہی سے بچانے کا انتظام کرتے ہیں لہٰذا انبیاء کے بعد خدا کے نزدیک علماء کا مقام ومرتبہ ہی بلند ہے۔ جس طرح لوگوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ انبیاءؑ کی پیروی کریں اور احکام الٰہی کو حاصل کرنے کے لئے ان کی طرف رجوع کریں اسی طرح موجودہ زمانے میں لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ علماء کی طرف رجوع کریں اور ان سے احکام خداوندی حاصل کریں کیونکہ علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں، انبیاءؑ کی غیر موجودگی میں یہ ذمہ داری سنبھالنا علماء کا وظیفہ ہے۔

چودھویں حدیث:

رسول خدا ؐ نے فرمایا: عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ، میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔(۱)

جس طرح قوم بنی اسرائیل کے لئے ضروری تھا کہ وہ احکامات الٰہی کو حاصل کرنے کے لئے اپنے انبیاءؑ کی طرف رجوع کریں اسی طرح امت محمدیؐ کے لئے بھی ضروری ہے کہ پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ معصومینؑ کی غیر موجودگی میں علماء اور فقہاء کی طرف رجوع کریں۔

.....

۱۔ صراط مستقیم ج ۱ ص ۲۱۳

پندرہویں حدیث:

امام جعفر صادق ؑ ارشاد فرماتے ہیں: تَفَقَّهُوْا فِيْ دِيْنِ اللهِ وَلَا تَكُوْنُوْا اَعْرَابًا فَاِنَّهُ مَنْ لَّمْ يَتَفَقَّهْ فِيْ دِيْنِ اللهِ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، اللہ کے دین میں تفقہ کیا کرو اور جاہل بدّو نہ بنو پس وہ شخص جس نے خدا کے دین میں تفقہ نہیں کیا، خدا قیامت کے دن اس کی طرف نظر کرم نہیں کریں گے۔(۱)

یہ حدیث تفقہ کی اہمیت کو شدت کے ساتھ بیان کر رہی ہے، ایسا بھی نہیں ہے کہ جو فقیہ نہیں ہوگا خدا اپنی نظر رحمت اس سے پھیر لے گا۔ یہ حدیث بالکل اس حدیث کی طرح ہے جس میں مسجد کے ہمسایہ میں رہنے والے سے کہا گیا ہے کہ اگر وہ مسجد میں نماز نہ پڑھے تو اس کی ادا کردہ نماز، نماز نہیں ہے گویا اس نے نماز ہی نہیں پڑھی۔ رسول خدا ؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ: لَا صَلَاةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِيْ مَسْجِدِهٖ، جو شخص مسجد کا ہمسایہ ہے اس کی نماز نہیں ہوگی مگر صرف مسجد میں۔ (۲)

اس حدیث میں بھی تفقہ کی اہمیت کو شدت کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے، بصورت دیگر اگر تمام لوگوں کے لئے یہ ضروری قرار دیا جائے کہ وہ احکام الٰہی میں تفقہ حاصل کریں تو حرج لازم آئے گا اور نظام زندگی معطل ہو جائے گا۔ لیکن اسلام نے کبھی بھی مسلمانوں پر ایسا عمل واجب قرار ہی نہیں دیا ہے جس سے حرج لازم آتا ہو اور نظام زندگی میں خلل واقع ہوتا ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ

۱۔ بحار الانوار ج ۱ ص ۱۱۴ ۲۔ تہذیب ج ۳ ص ۶

فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ، اور امور دین میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی ہے۔(۱)

سولہویں حدیث:

امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: تَفَقَّهُوْا فِیْ دِیْنِ اللهِ فَاِنَّ الْفِقْهَ مِفْتَاحُ الْبَصِیْرَةِ وَتَمَامُ الْعِبَادَةِ وَالسَّبَبُ اِلَی الْمَنَازِلِ الرَّفِیْعَةِ وَالرُّتَبِ الْجَلِیْلَةِ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا، خدا کے دین میں تفقہ کیا کرو کیونکہ تفقہ بصیرت کی چابی، عبادت کو کمال کی منزل تک پہنچانے والی اور دین و دنیا میں بلند منزلوں اور اعلیٰ مراتب تک پہنچانے کا سبب ہے۔(۲)

ہر انسان کی فطرت میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ وہ کمال حاصل کرنا چاہتا ہے اور بصیرت و بلند مراتب پر فائز ہونا چاہتا ہے، امام موسیٰ کاظمؑ نے ان خواہشات کا حل نہایت آسانی سے بتا دیا ہے۔ اگر کوئی شخص بصیرت، یا خدا کے نزدیک بلند مراتب پر فائز ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ احکام الٰہی میں تفقہ کرے، خدا اپنے فضل و کرم سے اسے یہ مقام عطا کر دے گا۔

سترہویں حدیث:

امام محمد باقرؑ ارشاد فرماتے ہیں: تَفَقَّهُوْا فِی الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَاِلَّا فَاَنْتُمْ اَعْرَابٌ، حلال اور حرام میں تفقہ کرو بصورت دیگر تم جاہل (بدّوؤں کے مانند) ہو۔(۳)

.....

۱۔ سورہ حج ۷۸ ۲۔ بحار الانوار ۷۵ ص ۳۲۱

۳۔ المحاسن ج ۱ ص ۲۲۷، فقہ الرضا ص ۳۳۸

ان احادیث میں جو شخص علم دین سے ناواقف ہے اسے جاہل قرار دیا جارہا ہے، لیکن انسان کے پاس ایک طریقہ ہے کہ وہ جہالت سے نکلے، وہ طریقہ یہ ہے کہ فقہاء سے احکام الٰہی کا علم حاصل کرے اور ان کے حاصل کردہ علم سے استفادہ کرے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جب وہ ان کی تقلید کریں اور احکامات الٰہی پر عمل کریں۔ اگر ان کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ خود تفقہ کریں اور کسی فقیہ کی تقلید بھی نہیں کرتے تو وہ جاہل کہلائیں گے چاہے مروجہ تعلیم میں کئی ڈگریاں حاصل کر چکے ہوں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ کوئی بھی شخص خود کو جاہل کہلوانا پسند نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ شخص جو حقیقت میں جاہل ہے اگر اسے بھی جاہل کہا جائے تو اسے بھی ناگوار گزرتا ہے، لہٰذا انسان کو یا عالم مستقل بننا چاہیے یا عالم بالواسطہ۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان خود کوشش کر کے تفقہ کی صلاحیت پیدا کرے یا فقیہ کی صلاحیتوں سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے جہل کو دور کرے۔

اٹھارویں حدیث:

امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا: اَلَا لَا خَیْرَ فِیْ عِبَادَۃٍ لَیْسَ فِیْھَا تَفَقُّہٌ، آگاہ ہو جاؤ اس عبادت میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں تفقہ نہ ہو۔ (۱)

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ انسان کو اپنے اعمال سوجھ بوجھ، علم اور تفقہ یعنی سمجھ کر انجام دینے چاہئیں اور من پسند طریقے سے انجام نہیں دینے چاہئیں بلکہ اگر اعمال بجالانے کا طریقہ یا کوئی اور حکم معلوم نہیں ہے تو کسی آگاہ شخص سے اس کا طریقہ عمل اور حکم معلوم کرنا چاہیے تاکہ وہ اس عمل کو اس حکم اور طریقے

.....

۱۔ تحف العقول ۲۰۴، معانی الاخبار ص ۲۲۶

کے مطابق انجام دے سکے جسے خدا چاہتا ہے۔قرآنی آیات اور معصومینؑ کی احادیث سے حکم الٰہی کو حاصل کرنے کے بعد لوگوں کو رسالۂ عملیہ وغیرہ کے ذریعے ان کے اعمال کے احکام اور طریقہ کار سے آگاہ کرنے کو ہی فقاہت واجتہاد کہتے ہیں۔

انیسویں حدیث:

امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں: اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا فَقَّھَہُ فِی الدِّیْنِ، جب خدا کسی عبد کو خیر عطا کرنا چاہتا ہے تو اسے دین کے احکامات میں فقیہ بنا دیتا ہے۔(۱)

اس حدیث سے فقہ کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔جیسا کہ اس بات کی طرف پہلے بھی اشارہ ہوا، ہر انسان اپنی زندگی میں خیر اور سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے، یہ خواہش انسان کی فطرت کے اندر شامل ہے کیونکہ ہر انسان سعادت اور خیر کا متلاشی ہے۔ پس انسان اگر خیر اور سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ احکامات دینی میں تفقہ کرے۔ یہ خدا کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی انسان خیر اور سعادت چاہتا ہو اور خدا اسے سعادت جیسی نعمت سے نوازنا چاہتا ہو یعنی اس کے اندر اس کی اہلیت ہو تو اسے فقیہ بنا دیتا ہے۔

اس حدیث کے جملوں سے کسی کے ذہن میں ایک عمومی سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ایک قسم وہ جن کے بارے میں خدا نیک خواہشات رکھتا ہے اور انہیں جب سعادت وخیر کی منزل تک پہچانا چاہتا ہے تو وہ انہیں اپنے خزانہ رحمت سے خیر وسعادت عطا کر دیتا ہے۔دوسری قسم وہ ہے جن کے بارے میں خدا کبھی اچھائی کا نہیں سوچتا، لہٰذا ان کو کبھی بھی خیر وسعادت نہیں مل سکتی۔اب

.....

۱۔غرر الحکم ص ۴۹

اگر کوئی شخص خیر وسعادت کی منزل تک نہیں پہنچتا تو اس میں اس شخص کی جانب سے کوتاہی نہیں ہے بلکہ خدا نے ارادہ ہی نہیں کیا ہے کہ وہ خیر وسعادت تک پہنچے لہٰذا وہ خیر وسعادت کی منزل تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ بھلا خدا کے ارادہ کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال کیسے ہوسکتی ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کے ظرف میں جتنی گنجائش ہوتی ہے اسی حساب سے اس کو عطا وبخشش کی جاتی ہے۔ خدا کی جانب سے خیر وسعادت پانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ظرف میں اس کی گنجائش ہو اور وہ اس کی اہلیت رکھتا ہو۔ یہ قانون ہمیں قرآن مجید میں نظر آتا ہے، خدا فرماتا ہے: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ، اللہ بہتر جانتا ہے کہ رسالت کا منصب کسے عطا کیا جائے۔(۱) رسول خداؐ جب منصب رسالت پر فائز ہوئے تو کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے تھے کہ: لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ، اس قرآن کو ان دونوں قریوں میں سے کسی عظیم اور بڑے آدمی پر نازل کیوں نہیں کیا گیا۔ (۲) بالفاظ دیگر خدا نے عبداللہؑ کے یتیم کو اپنی پیغمبری کے لئے کیوں چنا؟ مکہ ومدینہ کے عظیم المرتبت لوگوں میں سے کسی کو اس منصب کے لئے معین کرتے۔ لیکن خدا کے جواب سے واضح ہوگیا کہ خدا بلند مقام ومرتبہ عطا کرتے وقت ہرگز اس بات کو مدنظر نہیں رکھتا کہ کون سا آدمی زیادہ طاقتور، مالدار اور لوگوں کی نظر میں صاحب عزت ہے بلکہ خدائے مجید وعزیز کے پاس معیار یہ ہے کہ اس مقام ومنزلت کی اہلیت کون سی ذات رکھتی ہے تاکہ اسے

.....

۱۔ سورہ انعام ۱۲۴ ۲۔ زخرف ۳۱

یہ مقام و مرتبہ عطا کیا جائے۔

معاشرے میں صاحب عزت اور طاقتور و مالدار ہونے سے خدا تفقہ کی نعمت عطا نہیں کرتا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جو شخص حوزہ علمیہ میں سالہا سال درس حاصل کرتا ہے لیکن اس کے اندر فقیہ بننے کی صلاحیت نہیں ہے تو خدا بھی اسے تفقہ کی نعمت عطا نہیں کرتا۔ خدا یہ جانتا ہے کہ اس وقت یہ سیدھے راستہ پر چل رہا ہے اگر اسے اس مقام سے بڑھ کر فقاہت کا مقام دیا جائے تو شاید یہ موجودہ سعادت کو بھی کھو دے اور ان فقہاء کی صف میں شامل ہو جائے جن کی احادیث ائمہ معصومینؑ میں مذمت کی گئی ہے۔ احادیث میں ہمیں جن فقہاء کی مذمت نظر آتی ہے وہ حقیقت میں فقیہ و مجتہد ہی نہیں ہیں بلکہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے خود کو فقیہ کہتے ہیں۔

رسول خداؐ کے ایک صحابی ''ثعلبہ'' کی زندگی کی طرف دیکھیں تو یہ نکتہ ہماری سمجھ میں آتا ہے۔ رسول خداؐ کا یہ صحابی آپ کی خدمت میں آیا، یہ ایسا صحابی تھا جو پانچوں نمازیں رسول خداؐ کی اقتدا میں ادا کیا کرتا تھا۔ اور اپنے فقر کی شکایت کرنے کے بعد آپ سے التجا کی کہ خدا کی بارگاہ میں اس کی تونگری کے لئے دعا کریں۔ آپ نے فرمایا یہ حالت تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے، لیکن وہ بار بار دعا کی درخواست کرنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ مال و دولت آنے کے بعد کہیں ہماری ہم نشینی اور نماز جماعت کی فضیلت سے تم محروم نہ ہو جاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! میں ہمیشہ حاضر ہوتا رہوں گا۔ پھر آپ نے اس کے حق میں دعا کی۔ رسول خداؐ کی دعا کی بدولت وہ امیر ہو گیا اور اس کے پاس کافی تعداد میں بھیڑ بکریاں جمع ہو گئیں۔ مدینہ کے اندر جب اسے اپنی بھیڑ بکریاں سنبھالنے میں مشکل پیش آئی تو وہ مدینہ کے اطراف میں چلا گیا، شروع

شروع میں تو وہ پہلے کی طرح پانچوں نمازوں میں شرکت کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی مصروفیات بڑھنے لگیں اور صرف ایک نماز میں شرکت کرنے لگا اور اپنے دل کو یہ دلاسا دیتا رہا کہ چلو رسول خداؐ کے ساتھ ایک نماز ادا کرنے کی سعادت تو نصیب ہو رہی ہے۔ جب اس کی دولت میں مزید اضافہ ہو گیا تو وہ مدینہ سے باہر صحرا میں نکل گیا اور اپنی بھیڑ بکریاں سنبھالنے لگا، اب اس کے پاس وقت بالکل بھی نہیں تھا وہ ہفتہ میں صرف ایک بار جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے مدینہ آنے لگا، اس پورے عرصہ میں وہ رسول خداؐ کی خدمت میں سالانہ اپنی بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ بھیجتا رہا۔ کچھ دنوں کے بعد نماز جمعہ میں شامل ہونے کی سعادت بھی اس کے ہاتھ سے چھن گئی اور مدینہ آنا ہی ترک کر دیا۔ ایک دن رسول خداؐ نے اپنے اصحاب سے اس صحابی کے بارے میں پوچھا تو اصحاب نے بتا دیا کہ یا رسول اللہ! اب وہ کافی مالدار ہو چکا ہے اور بھیڑ بکریوں کی کثرت کی وجہ سے اس نے مدینہ چھوڑ دیا ہے۔ جب زکوٰۃ جمع کرنے کا وقت آیا تو حسب سابق اس بار بھی صحابہ اس کے پاس چلے گئے اور زکوٰۃ مانگی تو اس نے بڑے غرور اور نخوت کے ساتھ صحابہ کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا تمہارے رسول نے بھی اب بادشاہوں کی طرح ٹیکس لینا شروع کیا ہے؟ اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ صحابہ نے واپس آ کر رسول اللہؐ کو صورتحال سے آگاہ کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا مجھے معلوم تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا اسی لئے میں دعا نہیں کر رہا تھا لیکن اس نے ضد کی اور آج اس حال تک پہنچ گیا کہ واجبات خدا کو بھی ادا کرنے سے انکار کرنے لگا ہے۔

قارئین اس واقعہ کو نقل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنے بارے میں زیادہ نہیں جانتے خدا اور اس کا رسولؐ ہمارے بارے میں زیادہ بہتر جانتے ہیں لہٰذا خدا بھی

مقام اور منزلت صرف ان لوگوں کو عطا کرتا ہے جس کے وہ اہل ہوتے ہیں۔ مذکورہ حدیث میں بھی یہی مراد ہے کہ اجتہاد اور فقاہت خدا اس شخص کو عطا کرتا ہے جس کے اندر اس کی اہلیت ہوتی ہے۔ خدا اس کے معاشرتی مقام ومنزلت اور اس کی دولت کو دیکھتے ہوئے یہ مقام عطا نہیں کرتا اور نہ اس چیز کو دیکھتا ہے کہ حوزہ علمیہ میں اسے علم حاصل کرتے ہوئے کتنے سال ہو گئے ہیں۔ پس وہ اجتہاد اسی شخص کو عطا کرتا ہے جو مسلسل جدّ وجہد اور کوشش کرے اور علم کو خدا کے لئے اور دین خدا کی خدمت کرنے کے لئے حاصل کرے۔

بیسویں حدیث:

امام رضاؑ سے روایت ہے کہ: عَلَيْنَا اِلْقَاءُ الْاُصُوْلِ اِلَيْكُمْ وَعَلَيْكُمُ التَّفْرِيْعُ، ہماری ذمہ داری ہے کہ اصول (احکام شرعی کے کلیات) کو بیان کریں اور تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ ان اصول سے فروعات نکالو۔(۱)

اس حدیث میں امام رضاؑ نے احمد بن ابی نصر کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ اے فقہائے شیعہ (کیونکہ احمد بن نصر خود ایک فقیہ تھا) ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم احکام شرعیہ کے کلیات کو بیان کریں اور قیامت تک پیش آنے والے جدید مسائل کا حل انہی کلیات کے اندر ہوگا لہٰذا تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ ہمارے بیان کردہ اصول اور کلیات کو سامنے رکھ کر جدید پیش آنے والے مسائل کا حل نکالو کیونکہ جب اصل کا حکم

.....

۱۔ مستطرفات السرائر ص ۵۷۵

معلوم ہو جائے تو فرع کا حکم معلوم کرنا زیادہ مشکل کام نہیں ہوگا۔

یہاں پر القاء سے مراد یہ نہیں کہ زمانہ غیبت میں امام زمانہؑ تشریف لا کر مجتہدین کو اصول اور کلیات بتا دیں، جیسا کہ بعض لوگ اس حدیث پر اشکال اور اعتراض کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا آج تک کسی فقیہ پر امامؑ نے اصول القاء کئے ہیں۔ البتہ یہ اپنی جگہ ایک مستقل بحث ہے کہ زمانہ غیبت میں امام زمانہؑ نے فقہاء کو مشکل مسائل کے حل سے آگاہ کیا ہے یا نہیں۔ تاریخ فقہاء پر نظر دوڑائیں گے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ کئی مقامات پر امام زمانہؑ نے فقہاء کی مدد کی ہے لیکن یہ بحث اپنی جگہ ایک مستقل بحث ہے۔ فی الحال اس حدیث مبارکہ میں جو کہا گیا ہے کہ القاء کی ذمہ داری ہماری ہے اور تفریع کرنا تمہارا کام، اس میں القاء سے مراد یہ نہیں ہے کہ امام زمانہؑ کسی نہ کسی طریقے سے حکم شرعی کو فقہاء تک پہنچا دیں اور جب بھی کوئی عالم فقاہت کی منزل پر پہنچ جائے تو امام زمانہؑ تشریف لائیں اور تمام اصول اس کے حوالے کریں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اصول وکلیات بیان کرنا ہماری زمہ داری ہے اور ہماری روایات واحادیث دیکھ کر ان میں سے جدید مسائل کا حل تلاش کرنا فقہائے شیعہ کی ذمہ داری ہے۔

قارئین محترم! یہ چند احادیث وروایات تھیں جن کے ذریعہ اجتہاد اور تقلید کو ثابت کیا گیا اگرچہ اس کے علاوہ اور بہت ساری احادیث موجود ہیں جو تقلید اور اجتہاد کی ضرورت اور جواز پر دلالت کرتی ہیں لیکن نمونے کے طور پر اتنی حدیثیں کافی ہیں۔

تقلید اور اجتہاد پر دلیل عقلی

عقل اور منطق کی رو سے تقلید کی اقسام ذکر کرنے اور ان میں سے تقلید کی صحیح قسم کو معین کرنے کے بعد ہم پر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ تقلید کی صحیح قسم یعنی جاہل کا عالم کی تقلید کرنا ایک بدیہی حکم ہے اور اسے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر عقل یہ تسلیم کرتی ہے کہ تقلید اپنے مقام پر لازم اور ضروری ہے۔ ہم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ تقلید کی اقسام میں سے صحیح تقلید ایک فطری اور عقلائی قانون ہے۔

البتہ کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تقلید کی تمام اقسام کو درست قرار دیں جبکہ یہ نظریہ قابل عمل اور ممکن نہیں ہے کیونکہ نوع انسانی کی زندگی خصوصا ہمارے زمانے میں تبدیل ہوچکی ہے اور علوم اور صنعت مختلف اقسام میں تقسیم ہوچکے ہیں اور جب تک مختلف ماہرین کی طرف رجوع نہ کریں اپنی احتیاج اور ضرورت کا حل غیر ممکن اور محال نظر آتا ہے۔ البتہ مخالفین تقلید کی ساری کوشش یہی ہے کہ لوگوں کو بزرگوں اور دانشمندوں سے دور کریں۔

وہ انسان جو مسلمان ہے اور خدا اور حساب و کتاب پر اعتقاد رکھنے والا ہے کوئی نہ کوئی وظیفہ اور ذمہ داری رکھتا ہے اگر وہ واجبات میں سے ہوں تو اسے انجام دینا چاہیے اور اگر محرمات میں سے ہوں تو اسے ترک کرنا چاہیے۔ ان دستورات کی جڑ اور اساس قرآن اور سنت ہے، جو احکام قرآن میں بیان ہوئے ہیں وہ بہت مختصر اور کلی طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ بنیادی طور پر قرآن مجید کلیات کی کتاب ہے جس میں قواعد کلی بیان ہوئے ہیں مثلاً قرآن نماز پڑھنے پر بہت زیادہ اصرار کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی

طرف دعوت دیتا ہے لیکن نماز کی تعداد اور اس کی کیفیت کے بارے میں وضاحت پیش نہیں کی ہے۔ دوسرے واجبات اور محرمات میں بھی جیسے حج، روزہ، سود اور رشوت وغیرہ کے بارے میں بھی صرف کلیات بیان کئے ہیں لیکن جزئیات کی وضاحت نہیں کی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کی آیات احکام (وہ آیات جو احکام شرعی کے متعلق ہیں) میں سے بعض کو سمجھنا اتنا مشکل اور پیچیدہ ہے کہ ایک عام انسان مختلف علوم میں مہارت حاصل کئے بغیر ان آیات سے کوئی حکم نہیں سمجھ سکتا۔ جب صورت حال یہ ہے تو ایک ایسے گروہ کی شدت سے ضرورت محسوس ہوتی ہے جو مختلف علوم ادبیات عربی، منطق، معانی وبیان، کلام، فلسفہ، اصول فقہ، تاریخ اسلام، علم رجال اور تفسیر جیسے علوم پر مکمل مہارت رکھتے ہوں تا کہ یہ افراد ان علوم کی مدد سے قرآن سے حکم الٰہی کو استنباط کریں اور لوگوں کے احتیاج کو ختم کریں۔

اسی طرح حدیث میں بھی یہی صورتحال ہے جو قرآن کے بعد فقہی مآخذ ہے۔ حدیث میں بھی ائمہ معصومینؑ سے کچھ مسائل میں جزئیات نقل ہوئی ہیں لیکن اکثر مسائل میں صرف کلیات ہی بیان ہوئی ہیں جیسے ''لَا تَنْقُضِ الْيَقِيْنَ اَبَدًا بِالشَّكِّ''، اپنے یقین کو شک کے ذریعے کبھی نہ توڑو، (۱) یہ قانون اور کلیہ بہت سارے سوالوں کے جواب میں معصومین سے نقل ہوا ہے۔

اس کے علاوہ جن مسائل کا جواب ائمہ معصومینؑ نے جزئیات کی صورت میں دیا ہے ان میں سے اکثر اسی زمانے کے ساتھ مربوط ہیں لہٰذا آج کے زمانے میں ہم ان مسائل پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے کیونکہ اس دور کی ضروریات اور مقتضیات مختلف تھیں

.....

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۲۵۶

اور آج کے دور کی مقتضیات مختلف ہیں۔

اس حوالے سے شہید مرتضی مطہریؒ فرماتے ہیں: اگر بنا اس بات پر ہوتی کہ جس طرح رسول خداؐ اور ائمہ معصومینؑ نے اصول کو بیان کیا ہے فروع کو بھی بیان کیا جائے (اگر چہ فروع کو بھی حسب سوال بیان کیا ہے) تو فروعات غیر متناہی ہوتے اور ختم ہی نہ ہوتے۔(۱)

ایک دشوار مسئلہ جو ہمیں درپیش ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح قرآن کا سمجھنا دشوار ہے اسی طرح احادیث اور روایات کا سمجھنا بھی دشوار ہے۔ معانی الاخبار میں فہم احادیث کی دشواری کے بارے میں تین روایات ہیں ان میں سے ایک امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے: حَدِيْثٌ تَدْرِيْهِ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ حَدِيْثٍ تَرْوِيْهِ، وَلَا يَكُوْنُ الرَّجُلُ مِنْكُمْ فَقِيْهًا حَتّٰى يَعْرِفَ مَعَارِيْضَ كَلَامِنَا وَاَنَّ الْكَلِمَةَ مِنْ كَلَامِنَا لَتَنْصَرِفُ عَلٰى سَبْعِيْنَ وَجْهًا لَنَا مِنْ جَمِيْعِهَا الْمخرج، اگر ایک حدیث کو مکمل سمجھ چکے ہو تو یہ ایک حدیث ان ہزار حدیثوں سے زیادہ قیمتی ہے جو دوسروں سے بیان کر رہے ہو، اور تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک احکام اور قوانین دین کے بارے میں عالم نہیں بن سکتا جب تک ہمارے کلام سے مختلف مفاہیم کو دریافت نہ کرلے، بیشک ہمارے ایک جملہ کی ستر تعبیریں ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک سے مطلب نکالنے کا راستہ ہمارے لئے کھلا ہوا ہے۔(۲)

علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں ایک باب اس عنوان سے رکھا ہے: ''اَنَّ حَدِيْثَهُمْ صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ'' اور کئی متواتر روایات اس حوالے سے ائمہ معصومینؑ سے نقل کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے: اِنَّ حَدِيْثَنَا صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ لَا يَحْتَمِلُهُ اِلَّا مَلَكٌ مُقَرَّبٌ اَوْ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ اَوْ عَبْدٌ اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قَلْبَهُ لِلْاِيْمَانِ اَوْ

.....

۱۔ خاتمیت ص ۱۳۴ ۲۔ بحار الانوار ج ۲ ص ۱۸۴

مَدِیْنَۃٌ حَصِیْنَۃٌ، بیشک ہماری (اہل بیت کی) حدیث سنگین اور تھکا دینے والی ہے مگر چار گروہوں کے لئے نہیں، ملک مقرب، نبی مرسل، وہ بندہ جس کے دل کو خدا نے ایمان کے لئے آزمایا ہے یا مدینہ حصینہ یعنی قلب استوار رکھنے والا۔(۱)

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام کو ان کے منابع اصلی یعنی قرآن وسنت سے استنباط کرنا اور آیات الٰہی، اخبار نبوی وعلویؑ کو سمجھنا کوئی آسان اور سیدھا سادا کام نہیں ہے جو ہر کوئی انجام دے سکے۔

امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ فِیْ اَیْدِی النَّاسِ حَقًّا وَّبَاطِلًا وَّصِدْقًا وَّ کِذْبًا وَّنَاسِخًا وَّمَنْسُوْخًا وَّعَامًّا وَّخَاصًّا وَّ مُحْکَمًا وَّمُتَشَابِهًا وَّحِفْظًا وَّوَهْمًا وَلَقَدْ کُذِبَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلٰی عَهْدِهٖ حَتّٰی قَامَ خَطِیْبًا فَقَالَ اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ کَثُرَتْ عَلَیَّ الْکَذَّابَةُ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ، لوگوں کے سامنے حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، ناسخ اور منسوخ، عام اور خاص، محکم اور متشابہ، اشتباہ سے خالی اور اشتباہ کے ساتھ احادیث موجود ہیں، رسول اللہ کے زمانے میں ان کی طرف اس قدر جھوٹی باتیں منسوب کی گئیں کہ آپؐ کھڑے ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: میری طرف جھوٹی نسبتیں زیادہ دی جانے لگی ہیں پس جو شخص جان بوجھ کر میری طرف کسی بات کی جھوٹی نسبت دے اس نے اپنے لئے دوزخ میں جگہ بنالی۔(۲)

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: قَدْ نَصَبَ نَفْسَهٗ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ فِیْ اَرْفَعِ الْاُمُوْرِ: مِنْ اِصْدَارِ کُلِّ وَارِدٍ عَلَیْهِ، وَتَصْیِیْرِ کُلِّ فَرْعٍ اِلٰی اَصْلِهٖ، مِصْبَاحُ ظُلُمَاتٍ، کَشَّافُ عَشَوَاتٍ، مِفْتَاحُ مُبْهَمَاتٍ، دَفَّاعُ مُعْضَلَاتٍ، دَلِیْلُ فَلَوَاتٍ، یَقُوْلُ

.....

۱۔ بحار الانوار ج ۲ ص ۱۸۳ ۲۔ نہج البلاغہ ص ۳۲۵

فَيُفْهِمُ .... جو عالم عظیم امور میں خود کو خدا کے لئے مختص کرے، جو بھی کام پیش آئے اسے صحیح طرح انجام دے، اور ہر فرع کو اصل (دینی) پر منطبق کرے تو ایسا عالم تاریکیوں کا چراغ، پوشیدہ اشیاء کو آشکار کرنے والا، مبہم چیزوں کی چابی اور حلال مشکلات اور بیابانوں کا رہنما ہے اور وہ جب بات کرتا ہے تو حقیقت کو سمجھا تا ہے۔(۱)

پس جزئی مسائل اور جدید پیش آنے والے مسائل کو کلیات (قرآن وسنت) پر انطباق کرنا ایک فقیہ اور آگاہ عالم ہی کے بس کا کام ہے۔شہید مطہریؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں: علماء کے دو بڑے وظیفے ہیں، پہلا وظیفہ انبیاء کی میراث کی حفاظت کرنا اور دوسرا وظیفہ جزئیات کو کلیات پر منطبق کرنا، فروع کو اصول پر منطبق کرنا اور اسی عمل کو اجتہاد کہتے ہیں۔ اسلام ایک آگاہ اور ماہر دین علماء کے گروہ کی ضرورت کو قبول کرتا ہے، پس اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں لیکن کسی عالم دین کی ضرورت نہیں ہے تو اس کا یہ خیال باطل ہے، دین کو سمجھنے کے لئے ہمیشہ ایک ماہر کی ضرورت رہتی ہے۔اگر کسی دین میں عالم دین اور ماہر موجود نہ ہوں تو جاہل اس دین کی کوئی چیز باقی نہیں رکھیں گے، خصوصاً دین اسلام میں کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ آخری دین ہے اور اس کے بعد کوئی دوسرا دین آنے والا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نبی آئے گا جو اسلام میں شامل ہونے والے غلط عقائد کی تصحیح کرے جبکہ موجودہ امامؑ بھی پردہ غیبت میں ہے لہٰذا علماء اور ماہرین، دین کے بہت بڑے رکن شمار ہوتے ہیں۔اس دور کے علماء کو چاہیے کہ وہ انبیاء کی ذمہ داریوں اور وظائف کو انجام دیں۔(۲)

پس علماء کے ایک ایسے گروہ کی ضرورت واضح اور روشن ہے جو احکام خداوندی کو اس کے منابع اصلی سے استنباط کرے اور اس گروہ کو فہم وادراک (اجتہاد) کے درجہ پر فائز

.....

۱۔نہج البلاغہ ۱۱۸ ۲۔خاتمیت ص ۱۰۸

ہونا چاہیے جو ان کلیات اور اصول سے فروعات کا حکم معلوم کر سکیں اور لوگوں کے سامنے رکھیں۔ درجہ اجتہاد تک پہنچنا اور استنباط کی قدرت حاصل کرنا ایک دو دن کا کام نہیں ہے، آیات قرآن اور احادیث اہل بیتؑ کو سمجھنے کے لئے سالہا سال کی زحمت درکار ہوتی ہے۔

ایک عام شخص یا کسی حد تک علوم دین سے آگاہی رکھنے والا شخص جو درجہ اجتہاد تک نہ پہنچا ہو کیا احکام خدا کو سمجھ سکتا ہے اور دوسروں کو سمجھا سکتا ہے، باصطلاح دیگر کیا فتوی دے سکتا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ ایسے شخص کے اندر یہ صلاحیت موجود نہیں ہے اور یہ اس کے بس کا کام نہیں ہے۔ ہر عمل کسی ماہر کا محتاج ہوتا ہے اور ہر عمل کا ماہر کی طرف محتاج ہونا ایک فطری اور عقلی حکم ہے، جو لوگ اس حکم عقلی کو نہیں مانتے اس سے پہلے کہ مجتہد اور فقیہ کے قول کو ماننے سے انکار کریں اپنی فطرت اور عقل کے واضح اور آشکار حکم کو ماننے سے انکار کر رہے ہیں۔ جو شخص بدیہیات کا انکار کرتا ہے اس کو دنیا کی کوئی بھی دلیل قائل نہیں کر سکتی۔

شیخ محمد حسن اصفہانیؒ ضرورت تقلید پر دلیل عقلی کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

خداوند تعالیٰ کے وجود اور ارسال انبیاء کو ماننے کے بعد اور اس بات کو ماننے کے بعد کہ لوگ بغیر کسی ہدف کے خلق نہیں ہوئے ہیں، عقل اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ خدا کی اطاعت ضروری اور اس کی نافرمانی، بندگی کے دائرہ سے نکلنا محسوب ہوگی اور احکام الٰہی کی اطاعت کی کیفیت احکام کے بارے میں علم حاصل ہونے پر مبنی ہے، اور یہ علم یا معصومؑ سے سننے کے ذریعہ حاصل ہوگا یا اجتہاد کے ذریعہ۔ پہلا راستہ امام زمانہؑ کی غیبت کبری کے زمانے میں ممکن نہیں ہے اور دوسرا راستہ تمام لوگوں کے لئے میسر نہیں ہے پس عقل حکم لگاتی ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ تقلید کریں یعنی مجتہد کی طرف رجوع کریں۔(۱)

.....

۱۔ بحوث فی الاصول ص ۱۷

تقلید اور اجتہاد پر سیرۂ عقلاء

دنیا کے کسی بھی شعبہ میں دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس شعبہ سے جاہل افراد بوقت ضرورت اس شعبہ زندگی کے ماہرین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جس دنیا میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں یہاں انسان کی بہت ساری ضروریات ہوتی ہیں اور ایک انسان ان تمام ضروریات کے شعبوں سے آگاہی نہیں رکھ سکتا لہٰذا معاشرے نے خود بخود اپنی فطرت کے تقاضے کو دیکھتے ہوئے زندگی کی ضروریات کے مختلف شعبے بنائے اور جب بھی انسان کو کوئی مشکل پیش آتی ہے وہ اسی شعبہ کے ماہر اور جاننے والے سے استفادہ کرتا ہے تا کہ اس کی مشکل حل ہو جائے، اگر ہم یہ کہہ دیں کہ انسان کسی دوسرے کی طرف رجوع نہ کرے بلکہ ہر کوئی اپنی مشکل خود حل کرے تو عقلائے عالم اس بات کی مذمت اور مخالفت کریں گے۔ یہ بات معقول نہیں کہ کسی مجبور اور ضرورتمند شخص کو اپنی مشکل حل کرنے کے لئے ماہر شخص کی طرف رجوع کرنے سے روکا جائے۔ پس تقلید کو تمام عقلائے عالم درست قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ تقلید اس شخص کی جائے گی جو مطلوبہ شعبہ میں مکمل مہارت رکھتا ہو اور اسی عمل کو شریعت تقلید و اجتہاد کے نام سے موسوم کرتی ہے۔

مرحوم آیۃ اللہ العظمیٰ خوئیؒ فرماتے ہیں: ہر کام اور صنعت بلکہ دنیا کے ہر کام میں بناء عقلاء یہ ہے کہ جاہل عالم کی طرف رجوع کرے، اور شریعت مقدس اسلام نے اس بناء عقلاء کو نہیں ٹھکرایا ہے۔(۱)

.....

۱۔ التنقیح فی شرح عروۃ الوثقیٰ ج ۱ ص ۸۳

اجتہاد و تقلید فطرت کا تقاضا

جب انسان اس مادی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو وہ بالکل جاہل ہوتا ہے لیکن خدا نے اسے یہ صلاحیت اور طاقت عطا کی ہے کہ وہ عملی مدارج کو طے کر سکے۔ انسان آہستہ آہستہ اپنے گرد و پیش کو دیکھتا ہے اور ان سے سیکھنا شروع کر دیتا ہے، ایک عرصہ گزرنے کے بعد اس میں بولنے کی طاقت آجاتی ہے، بچہ ڈیڑھ دو سال خاموشی سے بزرگوں کی باتوں کو سنتا رہتا ہے اور جب ڈیڑھ دو سال کا عرصہ ہو جاتا ہے تو وہ بھی اپنے بزرگوں کی زبان بولنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ سارا عمل اپنے بزرگوں کی تقلید کرتے ہوئے سیکھتا ہے، بصورت دیگر اس کے اندر ان چیزوں کا علم اور اس زبان کو بولنے کی قدرت کہاں سے آئی؟ کیونکہ قرآن کے فرمان کے مطابق انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ مکمل جاہل ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا، اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا جب کہ تمہیں کسی چیز کا علم نہیں تھا۔(۱)

ہر انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فطرت کسے کہتے ہیں اور یہ کیا چیز ہے؟ اس بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ فطرت میلانات اور شناخت کا ایک مجموعہ ہے جس کا ریشہ اور جڑ صفات کمال الٰہی ہے، انسان اسی کے مطابق خلق ہوا ہے، فطرت انسان اور حیوان کے درمیان تمیز پیدا کرنے والی چیز ہے جو انسان کو انسانیت، عبدیت

.....

۱۔ سورہ نحل آیت ۷۸

اور مقام خلیفۃ اللہ کی طرف لے جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ، یہی خدا کی فطرت ہے جس پر اس نے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے۔(۱)

امور فطری مندرجہ ذیل خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں:

۱۔ یہ چیز خداداد اور غیر اکتسابی ہے۔

۲۔ یہ تمام انسانوں میں موجود ہے اور فطرت کے لحاظ سے نوع انسانی میں نژاد یا زمان ومکان کے لحاظ سے کوئی تفاوت نہیں ہے۔

۳۔ بغیر سیکھے انسان کا مورد توجہ، شناخت اور عمل ہے۔

۴۔ تبلیغ اور دوسرے مختلف عوامل کی وجہ سے ختم نہیں ہوتی۔

خداشناسی، خدا کی تلاش، تقدس پرستی، کمال کی تلاش، حقیقت کی تلاش، نیکی کو چاہنا، خوبصورتی کو پسند کرنا اور خوبصورت کی تلاش یہ سب امور فطری کے نمونے ہیں۔

جب فطرت کا معنی اور اس کی خصوصیات، فطرت کے نمونے اور امور فطری معلوم ہو گئے تو اب یہ دیکھنا ہے کہ تقلید (جاہل کا عالم کی پیروی کرنا) ایک امر فطری ہے یا نہیں؟۔

جب ہم انسانوں کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسانوں کے اندر یہ خاصیت موجود ہے کہ جب انہیں کسی چیز کا علم نہیں ہوتا اور اس کو معلوم کرنے کی صلاحیت بھی نہیں ہوتی تو وہ کسی عالم اور ماہر شخص کی طرف رجوع کرتے

.....

۱۔ سورہ روم آیت ۳۰

ہیں۔خصوصاً یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ عادت اور صفت تمام انسانوں میں بطور ذاتی اور بغیر سکھلائے یا بتلائے ہے، تبلیغات کے اثر سے ختم اور کالعدم نہیں ہوتی البتہ مختلف اسباب کی وجہ سے فطرت مدہم اور دھندلی ہوسکتی ہے لیکن ختم نہیں ہوسکتی ، اور تمام خصوصیات امور فطری اسی تمایل اور شناخت کی صفت کے اندر موجود ہیں۔

یہاں تک کہ متمدن ترین اور ماڈرن جامعہ بشری میں بھی خصوصاً ڈیموکریسی کے معاشرے میں تقلید موجود ہے اور ہر فرد آداب، رسوم، عقائد، اپنے آئیڈیل اور سیاسی امور میں کسی فرد، ملک یا ایک خاص گروہ کو اپنے افعال کا معیار اور نمونۂ عمل قرار دیتا ہے اور ان کی پیروی کرتا ہے۔

علامہ طباطبائیؒ فرماتے ہیں: ہر انسان زندگی کے ایک مختصر حصہ میں اجتہاد کرتا ہے اور زندگی کے اکثر حصے میں تقلید کرتا ہے اور جو شخص تقلید کرنے کا منکر ہے اور تقلید کرنا ہی نہیں چاہتا وہ حقیقت میں ایک جھوٹا اور فریب دینے والے نظریہ کا قائل ہے۔(۱)

آخوند خراسانیؒ فرماتے ہیں کہ : ثُمَّ اِنَّهُ لَا يَذْهَبُ عَلَيْكَ اَنَّ جَوَازَ التَّقْلِيْدِ وَرُجُوْعَ الْجَاهِلِ اِلَى الْعَالِمِ فِي الْجُمْلَةِ يَكُوْنُ بَدِيْهِيًّا جِبِلِّيًّا فِطْرِيًّا لَا يَحْتَاجُ اِلٰى دَلِيْلٍ، یہ بات آپ پر مخفی نہ رہے کہ تقلید کا جائز ہونا اور جاہل کا عالم کی طرف رجوع کرنا فی الجملۃ بدیہی ہے یعنی کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے اور یہ چیز انسان کی فطرت اور جبلت میں شامل ہے لہٰذا اس کے اثبات کے لئے باہر سے کسی دلیل کو لانے کی ضرورت نہیں ہے۔(۲)

آخوند خراسانیؒ نے وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ تقلید کا جائز ہونا اور جاہل

.....

۱۔مرجعیت وروحانیت ص۶ ۲۔کفایۃ الاصول ص ۴۷۲

کا عالم کی طرف رجوع کرنا ایک امر بدیہی ہے۔ امر بدیہی کا مطلب یہ ہے کہ اس مطلب کے اثبات کے لئے کسی دلیل کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر انسان کے اندر موجود طاقت اس بات کو بغیر کسی دلیل کے قبول کرتی ہے۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ تقلید کا جائز ہونا اور جاہل کا عالم کی طرف رجوع کرنا ایک امر جبلّی ہے یعنی انسان کی سرشت کے اندر موجود ہے بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ جبلّی ہونا اور فطری ہونے میں فرق صرف الفاظ کا ہے لیکن دونوں کے معنی ایک ہیں۔

اگر جاہل کو معلوم نہ ہو تو اسے چاہیے کہ عالم کی طرف رجوع کرے، تقلید کی تعریف میں یہ عبارت عام طور پر علماء استعمال کرتے ہیں جبکہ حقیقت میں دیکھا جائے تو تقلید اسے نہیں کہتے کہ جاہل عالم سے پوچھے، بلکہ اس کے بعد والے مرحلہ کو تقلید کہتے ہیں، یعنی جاہل جس مسئلہ کا حکم نہیں جانتا پہلے عالم سے پوچھے اس کے بعد اس حکم پر عمل کرے۔ مجتہد کے بیان کردہ حکم پر عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں نہ صرف پوچھنے کو۔ ممکن ہے کہ ایک شخص کسی عالم سے کسی مسئلہ کا حکم معلوم کرے لیکن وہ اس پر عمل نہ کرے لہٰذا صرف پوچھنے کو تقلید نہیں کہتے بلکہ تقلید اسے کہتے ہیں جب جاہل اس مسئلہ کے حکم کے بارے میں مجتہد سے سوال کرے جس مسئلہ کا حکم اسے معلوم نہ ہو اور اس حکم پر عمل کرے۔ علماء نے تقلید کی تعریف میں تسامح سے کام لیا ہے۔

جب بھی انسان کو کوئی مشکل پیش آتی ہے اور وہ اس مشکل کے حل سے واقف نہیں ہوتا تو یقیناً وہ کسی آگاہ فرد سے اس کا حل معلوم کرتا ہے اور آگاہ فرد کے بیان کے مطابق اپنی مشکل کو حل کرتا ہے۔ پس ان تمام باتوں سے واضح ہو گیا کہ تقلید (جاہل کا عالم کی پیروی کرنا) کے اندر فطرت کے تمام امور موجود ہیں لہٰذا یہ ایک امر فطری ہے۔

مرجع تقلید کی شرائط

گزشتہ بیانات سے تقلید اور مرجع تقلید کی ضرورت اور اہمیت واضح ہوگئی ،لیکن یہ ایسا منصب نہیں ہے جو ہر کسی کو آسانی سے حاصل ہوسکتا ہو بلکہ اس منصب کے حصول کے لئے بہت ہی سخت شرائط ہیں۔ان شرائط کو دیکھتے ہوئے ہمیں اطمینان ہوتا ہے کہ معصومینؑ نے ہمارے لئے کس قسم کے رہبر چنے ہیں ،جن میں عام لوگوں کی نسبت خطا کا امکان بہت کم ہے۔ان شرائط کو دیکھتے ہوئے ان افراد کا اشکال بے معنی لگتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مجتہد ہماری طرح کا ہی ایک آدمی ہے اس سے خطا کا امکان ہے اور ہم کسی ایسے فرد کی تقلید کیوں کریں جو جائز الخطا ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ اس مجتہد اور فقیہ کی کیا شرائط ہیں جو لوگوں کی رہنمائی اور رہبری کرسکتا ہے، اپنے نورانی کلمات کے ذریعہ انہیں خداوند متعال کی طرف رہنمائی کرسکتا ہے، دنیوی اور اخروی امور میں ان کی مشکلات کو حل کرسکتا ہے، پس ایسے عظیم فرد کی شرائط بھی عظیم، اہم اور قابل دقت ہوں گی۔

ہم مجتہد کی شرائط کو دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں: پہلی قسم میں وہ شرائط ہیں جو ابتدائی وغیر اکتسابی ہیں یعنی مجتہد نے اپنی کوشش سے انہیں حاصل نہیں کیا ہے اور ان خصوصیات کو حاصل کرنے میں اسے زحمت برداشت نہیں کرنی پڑی ہے۔دوسری قسم میں وہ شرائط ہیں جو کمالی واکتسابی وافضلی ہیں یعنی مجتہد نے اپنی محنت اور کوشش سے ان کمالات کو حاصل کیا ہے۔

شرائط غیر اکتسابی: ۱۔ مرد ہو۔ ۲۔ بالغ ہو۔ ۳۔ عاقل ہو۔ ۴۔ حلال زادہ ہو۔ ۵۔ زندہ ہو۔ ۶۔ شیعہ اثنا عشری ہو۔ (البتہ شیعہ اثنا عشری ہونا ضروری نہیں ہے کہ غیر اکتسابی ہو بلکہ اکتسابی بھی ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے کوئی شخص اپنی تحقیق و جستجو سے صاحب بصیرت بنا ہو اور شیعہ اثنا عشری ہونے کی سعادت حاصل کر چکا ہو، چونکہ اکثر مجتہدین پہلے سے ہی شیعہ اثنا عشری ہوتے ہیں اس لئے اسے غیر اکتسابی میں شمار کیا ہے۔)

شرائط اکتسابی: ۱۔ عدالت۔ ۲۔ تقوی۔ ۳۔ افقہ۔ ۴۔ صفات فعلی جیسے حافظ دین، اپنے نفس کو بچانے والا وغیرہ۔

شرائط کی پہلی قسم یعنی غیر اکتسابی انسان کے اختیار میں نہیں ہے، ان میں سے ہر ایک کی دو حالتیں ہیں: پہلی حالت یہ ہے کہ اس کا وجود ہے اور دوسری حالت یہ ہے کہ اس کا وجود نہیں ہے۔ ان میں کیفیت یا تفصیل کی گنجائش نہیں ہے مثلاً انسان یا مرد ہے یا عورت، یا زندہ ہے یا مردہ..... لیکن شرائط کی دوسری قسم یعنی اکتسابی میں ایسا نہیں ہے بلکہ ان میں مختلف مراتب ہوتے ہیں اور یہ ممکن ہے کہ ایک شخص دوسرے سے زیادہ فقیہ ہو۔

اب ہم ان میں سے ہر شرط کے بارے میں گفتگو کریں گے، اگرچہ غیر اکتسابی شرائط سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کا کوئی ثمرہ عملی نہیں ہے لیکن کچھ دوسری وجوہات ہیں جن کی وجہ سے بحث کی ضرورت ہے۔

مرد ہو

یہ شرط اگرچہ بدیہیات میں سے ہے لیکن بعض لوگوں کی جانب سے اس پر اشکال ہوا ہے اس لئے اسے مورد بحث قرار دیتے ہیں۔

پہلی دلیل: شارع کی نظر میں عورت کی تقلید کیا حکم رکھتی ہے؟

کیا شارع، تقلید کو ایک تخصصی امر سمجھتا ہے یا تقلید کو قرب الٰہی کا وسیلہ اور مرجع کو مخلوق اور خالق کے درمیان وسیلہ قرار دیتا ہے؟۔اس شرط کا واضح ہونا تین مقدموں پر موقوف ہے۔

پہلا مقدمہ: ہمیں سب سے پہلے اس سوال پر توجہ دینی چاہیے کہ کیا مرد اور عورت کی خلقت کا ہدف ایک ہے؟ اور جسمانی خلقت، مادی امور، فکری امور، معنوی امور، ظرفیت اور استعداد میں کیا مرد اور عورت برابر ہیں اور کوئی فرق نہیں ہے؟۔اگر ایک جیسے ہیں تو یہ دو نام کس لئے ہیں، ایک کا نام عورت اور دوسرے کا نام مرد۔یقیناً ان تمام امور میں مرد اور عورت کے درمیان بہت فرق ہے جو قابل مشاہدہ ہے اور یہ فرق اس بات کی حکایت کر رہا ہے کہ ان دونوں کی خلقت کا مقصد جداگانہ ہے اگرچہ دونوں انسان اور خلیفۃ اللہ ہیں۔خلقت میں یہ فرق زندگی کو بہتر اور احسن طریقے سے گزارنے کے لئے اور ان کے درمیان ہم آہنگی اور ہمکاری کی خاطر خدا نے رکھا ہے۔ذکر شدہ مطلب سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں، ایک یہ کہ مرد اور عورت انسانیت میں برابر ہیں اور دوسری بات یہ کہ خدا نے ان میں سے ہر ایک کی خلقت کا مقصد الگ رکھا ہے، دونوں کا ہدف تقرب الٰہی حاصل کرنا ہے لیکن تقرب الٰہی تک پہنچنے کا راستہ ہر ایک کے لئے مختلف رکھا ہے۔ان میں سے ہر ایک اپنے لئے معین شدہ راہ پر چل کر ہی اس ہدف کو حاصل کر سکتا ہے اور اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے رتبہ تک پہنچنے کی خواہش بھی کرے تو وہ اسے حاصل نہیں کر سکتا، جیسا کہ خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَا

تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ، اور خدا نے جو تم میں سے ہر ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے اس کی تمنا نہ کرو، مردوں کو اپنے کئے کا حصہ ملے گا اور عورتوں کو اپنے کئے کا حصہ ملے گا۔(۱)

دوسرا مقدمہ: اس تکوینی فرق کی بنیاد پر خدا نے شرعی ذمہ داریوں میں بھی مرد اور عورت کے درمیان فرق رکھا ہے جیسے ایسے منصب پر جس میں مرد اور عورت دونوں شریک ہوں عورت اس ذمہ داری کو شرعی طور پر نہیں سنبھال سکتی مثلا امام جماعت، قضاوت، گھریلو سرپرستی، اموال مجہول المالک خمس وزکوۃ وغیرہ کی سرپرستی۔

تیسرا مقدمہ: مرجعیت بذاتہ مقام اور شرافت نہیں رکھتی تاکہ ہم یہ کہیں کہ مقام اور شرافت تو عورت بھی حاصل کرسکتی ہے بلکہ یہ ایک الٰہی ذمہ داری ہے جسے خدا نے جامع الشرائط فقہاء کے سپرد کیا ہے۔ خدا نے اسے لوگوں کی خدمت کرنے کا ایک ذریعہ قرار دیا ہے اور جو خدمات اس راہ سے انجام پائیں وہ مقام ومنزلت کی حامل ہیں۔

پس نتیجہ یہ ہوا کہ مرجعیت ایک الٰہی وظیفہ ہے جس طرح رسالت وامامت کی ذمہ داری خدا نے عورت کو نہیں دی اسی طرح مرجعیت کی ذمہ داری بھی خدا نے عورت کے حوالے نہیں کی، ان میں سے ہر ایک کو کمال وسعادت کی منزل تک پہنچنے کے لئے خدا نے الگ الگ راستے معین کئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے لئے معین شدہ راہ پر چل کر ہی کمال ومنزلت حاصل کرسکتا ہے۔

.....

۱۔ سورہ نساء آیت ۳۲

دوسری دلیل: روایات:

عامر بن عبداللہ کہتا ہے کہ میں امام جعفر صادق ؑ سے عرض کیا: استطاعت کے بارے میں میری بیوی کا نظریہ اور رائے بھی وہی ہے جو زرارہ اور محمد ابن مسلم کا ہے۔ امام نے فرمایا: مَا لِلنِّسَاءِ وَالرَّأْيُ وَالْقَوْلُ لَهَا، عورتوں کا رائے اور قول سے کیا واسطہ؟۔(۱)

امام کے اس قول میں صراحت موجود ہے کہ عورت کا نظریہ اعتبار شرعی نہیں رکھتا۔ اگر چہ ممکن ہے کہ عورت علم حاصل کرے اور دینی مسائل کے بارے میں عالمہ بن جائے اور ان مسائل کے بارے میں اپنا نظریہ بھی قائم کرے اور مقام فتوی تک پہنچ جائے لیکن عورت کے نظریہ اور فتوی کی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

رسول خداؐ ارشاد فرماتے ہیں: اَرْبَعَةٌ مَفْسَدَةٌ لِّلْقُلُوْبِ: اَلْخَلْوَةُ بِالنِّسَاءِ وَ.....وَالْاَخْذُ بِرَأْيِهِنَّ وَ.....، چار چیزیں انسان کے دل کو فاسد کرنے کا سبب بنتی ہیں: ۱۔عورتوں کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا..... ۳۔عورتوں کی رائے پر عمل کرنا، .....(۲)

تیسری دلیل: معصومینؑ کی سیرت عملی

ائمہ معصومینؑ نے کسی بھی مورد میں کسی خاتون کو اپنا وکیل معین نہیں کیا ہے۔ اپنی شاگرد خواتین سے حتی اپنی ماں اور بیویوں سے یہ نہیں کہا ہے کہ وہ فتوی دے دیں جبکہ مسائل شرعیہ میں مردوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم کئی موارد میں دے دیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

.....

۱۔ رجال کشی ص ۱۶۸ ۲۔ بحار الانوار ج ۱۰۰ ص ۲۲۶

چوتھی دلیل: قاعدہ اولویت

امام جماعت میں جو مرجعیت اور رہبری کا ایک ضعیف اور کمزور مورد ہے مرد ہونا شرط ہے پس مرجعیت میں بطریق اولی مرد ہونا شرط ہے۔

پانچویں دلیل: اصل

علم اصول میں ایک قانون یہ ہے کہ اگر ہمیں کسی موضوع کے بارے میں شک ہو کہ یہ چیز شرعی طور پر حجت ہے یا نہیں تو اصل عدم حجیت ہے۔ جب تک شارع کی طرف سے بیان نہ آئے ہمیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم اس چیز کو شارع کی طرف منسوب کریں اور کہیں کہ شارع نے اسے حجت قرار دیا ہے۔ پس اگر کسی کو سابقہ دلیلوں کے باوجود بھی شک ہو کہ شاید عورت کے لئے مرجعیت کا حق ثابت ہے تو اصولی قانون کے مطابق عورت کے لئے مرجعیت کا نہ ہونا ثابت ہو جائے گا، کیونکہ ہمارے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جو یہ کہے کہ خواتین بھی مرجعیت کا حق رکھتی ہیں۔

شیعہ اثنا عشری ہو

شیعہ ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، پہلی یہ کہ مرجع تقلید عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے ائمہ اطہارؑ کا معتقد اور ان کی پیروی کرنے والا ہو۔ دوسری صورت یہ کہ فتوی دینے میں یعنی اس کا فتوی ان دلیلوں کے ذریعہ ہو جن کی معصومین نے تائید کی ہے۔ یہاں پر جو چیز زیادہ اہم ہے وہ دوسری صورت ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے مرجع تقلید کا عقیدہ و عمل اگر معصومینؑ کے مطابق نہ ہو تو کوئی پرواہ نہیں، مرجع تقلید کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عقیدہ اور عمل میں معصومینؑ کی پیروی کرنے والا ہو، بعبارت دیگر

صرف عقیدہ و عمل میں معصومینؑ کی پیروی کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اس کا فتوی ان دلیلوں کی روشنی میں ہونا چاہیے جنہیں معصومینؑ مستند قرار دیا ہے۔

پہلی دلیل: قرآن

خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ سے مخاطب ہو کر منصب امامت کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ: لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ، میرا یہ عہدہ ظالمین کو نہیں مل سکتا۔(۱)

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ لوگوں کی رہبری و رہنمائی کا منصب خدا نے انبیاءؑ کے حوالے کیا اس کے بعد انبیاءؑ نے خدا کے حکم کے مطابق اسے ائمہ معصومینؑ کے حوالے کیا اور معصومینؑ اس ذمہ داری کو فقہاء کے سپرد کیا ہے، ظلم کا ایک مصداق غیر شیعہ ہونا ہے لہٰذا لوگوں کی رہبری اور رہنمائی کا یہ منصب شائستہ اور اس منصب کے اہل افراد کے پاس ہونا چاہیے اور وہ شیعہ اثنا عشری ہیں۔

خداوند تعالی دوسری آیت میں ارشاد فرماتے ہیں: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ، اے مومنو! ظالمین کی طرف رغبت پیدا نہ کرنا ورنہ جہنم کی آگ تمہیں گھیر لے گی۔(۲)

رکن کا مطلب ہے کہ تھوڑا سا بھی جھکنا یا میلان ظاہر کرنا اور رغبت ظالمین کی نسبت نہیں ہونا چاہیے اور ظالم پر اعتماد کرنا حرام ہے، جب تھوڑی سی رغبت بھی حرام ہے تو کس طرح شرعی امور جیسے عظیم موارد میں کسی ظالم کی تقلید کی جاسکتی ہے۔اس کے علاوہ

.....

۱۔سورہ بقرہ آیت ۱۲۴ ۲۔سورہ ہود آیت ۱۱۳

کئی اور آیات بھی ہیں جو ظالمین اور طاغوت کی پیروی سے منع کرتی ہیں۔ ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ غیر شیعہ ہونا ظلم کے مصادیق میں سے ایک ہے۔

دوسری دلیل: روایات

امام محمد باقرؑ ارشاد فرماتے ہیں: ہر وہ شخص جو خدا کی طرف سے معین کردہ امام کو نہیں مانتا اس کا عمل مقبول نہیں ہے، وہ ایک گمراہ اور متحیر شخص ہے۔ ائمہ جور اور ان کے پیروکار دین الٰہی سے ہٹ گئے ہیں اور گمراہ ہو گئے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔(۱)

اس حدیث میں غیر شیعہ کو گمراہ افراد، متحیر اور گمراہ کرنے والے کے عنوان سے یاد کیا ہے، پس ایسے لوگ کسی کی ہدایت کرنے کی قدرت وصلاحیت نہیں رکھتے۔ وہ شخص جو اپنی ہدایت نہ کر سکا اور اس امام کو چھوڑ دیا جس کی اطاعت فرض تھی اور ائمہ جور کی پیروی کرنے لگا ہو وہ کس طرح حقیقی اماموں کی طرف سے نمائندہ بن کر دوسروں کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ حدیث کے مطابق یہ افراد دین خدا سے معزول ہیں اور معزول شخص کس طرح امام کی جانب سے منصوب ہو سکتا ہے اور کس طرح امام کا نائب بن سکتا ہے۔

امام رضاؑ ارشاد فرماتے ہیں: ہمارا شیعہ وہ ہے جو ہمارے امر کو تسلیم کرے، ہمارے کلام کو قبول کرے اور ہمارے دشمنوں کا مخالف ہو، جو شخص ایسا نہیں ہے وہ ہمارا شیعہ نہیں ہے۔(۲) اگر ایک شیعہ کسی غیر شیعہ مرجع تقلید کا مقلد ہو تو اس کا مخالف نہیں ہوا بلکہ اس کا تابع ہوا جبکہ امام نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہمارے دشمنوں کا مخالف نہ ہو وہ

.....

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۱۱۸ ۲۔ وسائل الشیعہ ج ۱۸

شیعہ نہیں ہے۔بعبارت دیگر غیر شیعہ کی تقلید کرتے ہی شیعیت سے خارج ہو جائے گا۔اس کے علاوہ بہت ساری احادیث ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ غیر شیعہ کی تقلید نہ کی جائے لہٰذا مرجع تقلید کے لئے شیعہ اثنا عشری ہونا ضروری ہے۔

تیسری دلیل: معصومینؑ کی سیرت عملی

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ ائمہ معصومینؑ کے وکلاء میں سے کوئی ایک بھی سنی نہیں تھا، اہل سنت کے کسی ایک آدمی پر بھی اگر چہ وہ موثق ہی کیوں نہ ہو ائمہ معصومین نے اعتماد نہیں کیا ہے اور اسے اپنا وکیل معین نہیں کیا ہے، ائمہ معصومینؑ خدا کے عطا کردہ علم غیب کے ذریعہ ان کی نگرانی کر سکتے تھے پھر بھی ایسا نہیں کیا ہے، اس سے ہماری ذمہ داری روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

معصومینؑ کے پاس جب دور دور سے مومنین آتے تھے اور مسائل کا حل دریافت کرتے تھے اور یہ عرض کرتے تھے کہ مولا ہم یہاں سے بہت دور رہتے ہیں، جب بھی کوئی مسئلہ پیش آئے ہم آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے لہٰذا ہم اپنے مسائل کے حل کے لئے کیا کریں؟ اس وقت آپ فرماتے تھے کہ فلاں فقیہ کی طرف رجوع کرو۔اس قسم کے بہت سے واقعات پیش آئے ہیں لیکن ہمیں کہیں یہ نظر نہیں آتا کہ امام نے کسی موثق اہل سنت فقیہ کا نام لے کر اس کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہو۔

چوتھی دلیل: قاعدہ اولویت

نماز جماعت میں امام کے لئے شرط ہے کہ امام شیعہ ہو، نماز جماعت قیادت ورہبری کا ایک ضعیف اور چھوٹا سا مورد ہے جب اس کم اہمیت والے مورد میں امام جماعت کے لئے شیعہ ہونا شرط ہے تو مرجعیت جو ایک عظیم مقام ومرتبہ رکھتی ہے اور

مجتہد مرجع خلائق ہوتا ہے، لوگوں کی مشکلات کو سننے کے بعد ان کا حل بتاتا ہے، ایسا عظیم رتبہ رکھنے والی مرجعیت میں شیعہ ہونا بطریق اولی شرط ہے۔

صفات فعلی

یہ ایسی صفات ہیں جن کے خارج میں واقع ہونے کے بعد ان افعال کی نسبت ان کے فاعل کی طرف دی جاتی ہے، جیسے صائن (خود کو گناہ سے بچانے والا)، عامل (شریعت کے بتائے ہوئے اعمال کو بجالانے والا) و..... یہ صفات مندرجہ ذیل ہیں:

صائن نفس ہو

صائن اسے کہتے ہیں جو خود کو ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھے، اس صفت کے بارے میں امام حسن عسکریؑ سے ایک حدیث نقل کی گئی، مَنْ كَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ صَائِنًا لِنَفْسِهِ حَافِظًا لِدِيْنِهِ مُخَالِفًا لِهَوَاهُ مُطِيْعًا لِاَمْرِ مَوْلَاهُ فَلِلْعَوَامِ اَنْ يُقَلِّدُوْهُ، ہمارے فقہاء میں سے وہ فقیہ جو اپنے دین کی حفاظت کرتا ہو، اپنے نفس کو بچاتا ہو، اپنی خواہشات نفسانی کی مخالفت کرتا ہو اور اپنے مولا کے امر کی اطاعت کرتا ہو تو عوام کو چاہیے کہ ایسے فقیہ کی تقلید کریں۔(۱)

اس حدیث میں امام حسن عسکریؑ اس فقیہ کی خصوصیات بتاتے ہوئے جس کی تقلید لوگوں کو کرنی چاہیے پہلی خصوصیت صائن نفس کو قرار دیتے ہیں یعنی اپنے نفس کو ہر قسم کی معصیت سے بچا کر رکھے۔ یہاں معصیت سے مراد ہر قسم کی نافرمانی ہے جو خدا

.....

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۲۷ ص ۱۳۱

سے دوری کا سبب بنتی ہے، چاہے وہ اعمال ظاہری میں سے ہوں یا صفات باطنی میں سے، چاہے وہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ، چاہے وہ فقہی گناہ ہو جیسے جھوٹ، غیبت یا اخلاقی برائی ہو جیسے کنجوسی، طمع یا اس کے علاوہ کوئی اور بری صفت۔

اخلاقی برائیاں: مجتہد کو چاہیے کہ وہ ہر قسم کی اخلاقی برائی سے دور رہے، اخلاقی برائیوں میں سے کچھ یہ ہیں: تکبر، کنجوسی، لالچ، تعصب، فخر ومباہات، دکھاوا (ریاکاری)، خوشامد پسندی اور مکر وحیلہ۔ یہ وہ اخلاقی برائیاں ہیں جو مرجعیت کے عظیم مقام ومرتبہ کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی، بلکہ یہ برائیاں کسی بھی عالم دین میں نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ برائیاں علماء کے لئے آفت شمار ہوتی ہیں۔

یہ وہ برائیاں ہیں جن کی خدا اور اس کے رسولؐ اور ائمہ معصومینؑ نے بہت مذمت کی ہے۔ کسی شخص کو تکبر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کے اندر جو کمال ہے اور جس کی وجہ سے یہ شخص تکبر کا شکار ہوا ہے خدا کی عنایت کردہ ہے، جس طرح خدا نے اسے اس نعمت سے نوازا ہے اسی طرح وہ اس نعمت اور کمال کو اس سے چھین بھی سکتا ہے، یہ بری صفت لوگوں کی رہنمائی کرنے والے مجتہد کے اندر تو ہونی ہی نہیں چاہیے کیونکہ وہ لوگوں کی تربیت کرنے والا ہے، اگر مربی کے اندر یہ بری صفت ہوگی تو وہ کس طرح دوسروں کی تربیت کرے گا۔

اسی طرح لالچ، فخر ومباہات اور ریا جیسی اخلاقی بیماریاں بھی نہیں ہونی چاہیے، مرجعیت کا مقام ایک ایسا مقام ہے جو لوگوں کے لئے محور کی حیثیت رکھتا ہے، اگر لوگ اپنے محور میں یہ برائیاں دیکھیں گے تو مرجعیت سے نفرت کرنے لگیں گے۔ جس کے اندر یہ اخلاقی برائیاں ہوں گی لوگ اس کے قریب نہیں آئیں گے بلکہ اس سے دور بھاگیں گے۔

انہی اخلاقی بیماریوں میں سے ایک بڑی بیماری خوشامد پسند ہونا ہے، خوشامد پسند شخص کے اردگرد ایسے افراد منڈلاتے رہیں گے جو مفاد پرست ہونگے اور اسے اس طرح شیشے میں اتاریں گے کہ اسے اپنے اطراف میں ان ہی کے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آئے گا۔ اس کی تعریف میں زمین وآسمان ایک کردیں گے اور اسے یہ یقین دلائیں گے کہ اس کائنات میں اس سے بڑھ کر کوئی عالم یا مجتہد نہیں ہے اور وہ بدبخت بھی اسے سچ سمجھ بیٹھے گا۔ ان کی خوشامد اور جھک جھک کر ملنے سے وہ یہ سمجھے گا کہ اگر اس کائنات میں میرے ساتھ کوئی مخلص ہے تو وہ یہی افراد ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ اگر کوئی مخلص فرد آکر اسے بتانا بھی چاہے تو مفاد پرست افراد اسے قریب بیٹھنے نہیں دیں گے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ رفتہ رفتہ اس کا رابطہ لوگوں سے منقطع ہوجائے گا اور وہ بھی اس کے اطراف میں موجود افراد کو ہی کل کائنات سمجھ بیٹھے گا اور جب تک اس کے پاس مفاد پرست افراد کو دینے کے لئے کچھ ہوگا وہ گدھ کی طرح اردگرد منڈلاتے رہیں گے لیکن جیسے ہی ان کو معلوم ہوجائے گا کہ اب اس کے پاس ہمیں دینے کے لئے کچھ نہیں ہے تو وہ اسے چھوڑ کر کوئی دوسرا شکار تلاش کرنے کے لئے نکل جائیں گے۔ اس بیماری کی اسی خصوصیت کو دیکھتے ہوئے شارع مقدس نے اس بات سے سختی کے ساتھ منع کیا کہ مجتہد کو خوشامد پسند نہیں ہونا چاہیے تاکہ خوشامد پسند افراد اس کے قریب ہی نہ آسکیں اور اسلام ومسلمین کو ناقابل تلافی نقصان نہ پہنچے۔

اپنے علم پر عمل کرنے والا ہو

مرجع کو چاہیے کہ وہ اپنے حاصل کردہ علم پر عمل کرے، مجتہد اگر خود عمل نہ کرے اور دوسروں کو اس کی تلقین کرے تو اس کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝، اے ایمان لانے والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے، اور خدا اس چیز کو سخت ناپسند کرتا کہ تم وہ بات کہہ دو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے۔(۱)

امیر المومنینؑ نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ نَصَبَ نَفْسَهُ لِلنَّاسِ اِمَامًا فَلْيَبْدَأْ بِتَعْلِيْمِ نَفْسِهٖ قَبْلَ تَعْلِيْمِ غَيْرِهٖ وَلْيَكُنْ تَأْدِيْبُهُ بِسِيْرَتِهٖ قَبْلَ تَأْدِيْبِهٖ بِلِسَانِهٖ، جو شخص خود لوگوں کی ہدایت کے لئے رہبر قرار دے اسے چاہیے کہ دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے خود علم حاصل کرے اور دوسروں کو اپنی زبان کے ذریعہ ادب سکھانے سے پہلے اپنی سیرت کے ذریعہ ادب سکھائے۔(۲)

بہت ساری روایات ایسے عالموں کے بارے میں ہیں جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے۔ رسول خداؐ ایسے عالم کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: وہ عالم جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے اس نے نجات پالی اور جو عالم اپنے علم پر عمل نہیں کرتا ہلاک ہوا، ایسے عالم کی بو سے جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا اہل جہنم کو اذیت ہوتی ہے اور اس دن سب سے زیادہ حسرت اور افسوس کا اظہار کرے گا جب وہ یہ دیکھے گا کہ جن لوگوں کو اس نے خدا کی طرف بلایا تھا اور انہوں نے اس کی بات پر عمل کیا تھا اور خدا نے ان کے اس عمل کو قبول فرمایا وہ اہل بہشت میں سے قرار پائے لیکن یہ خود (عالم بے عمل) اپنے علم پر عمل نہ کرنے اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے کی وجہ سے جہنم کی آگ کا حقدار ٹھہرا۔(۳)

.....

۱۔ سورہ الصّف آیت ۲، ۳ ۲۔ نہج البلاغہ ص ۴۸۰ کلمات قصار ۷۳

۳۔ بحار الانوار ج ۲ ص ۳۴

حافظ دین ہو

روایات میں مرجعیت کی جو خصوصیات بیان ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مرجع کو محافظ دین ہونا چاہیے۔ محافظ دین ہونے کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ انسان اپنے ایمان اور ذاتی نظریات اسلامی کی حفاظت کرے جس کا دوسرا نام صائن نفس ہے، اس کے بارے میں بحث ہو چکی ہے۔ محافظ دین کی دوسری قسم یہ ہے کہ اجتماعی حوالے سے معاشرے میں شریعت کے اصول و اقدار مدہم نہ ہونے دے اور اسلامی احکامات اور اقدار کو پامال کرنے کی اجازت نہ دے۔ دوسری قسم کی اہمیت بہت زیادہ ہے، اگرچہ پہلی قسم کی اہمیت سے بھی آنکھیں بند نہیں کی جا سکتی۔ ہر انسان اپنی ذات کے لئے تو بہت کچھ کرتا ہے لیکن کمال اس میں ہے کہ معاشرے کی اصلاح کے لئے کوئی قدم اٹھائے۔ ہم اپنے معاشرے میں بہت سارے ایسے افراد کو دیکھتے ہیں جو شخصی طور پر اپنے دین کی حفاظت کرتے ہیں، واجبات بجالاتے ہیں اور محرمات ترک کرتے ہیں لیکن اجتماعی طور پر دین کی حفاظت کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ ایک مرجع کو چاہیے کہ وہ اپنے شخصی دین کی حفاظت کے علاوہ اجتماعی حوالے سے بھی دین کی حفاظت کرے اور معاشرے میں اسلامی احکامات اور اقدار اسلامی کو کم رنگ نہ ہونے دے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے معاشرے میں وعظ و نصیحت کرے اور شرعی احکام و اقدار کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ انتہائی سخت برتاؤ کرے، منافقوں اور فاسقوں کے دباؤ میں نہ آئے اور جس فرد سے بھی معاشرے میں اجتماعی حوالے سے دین کو خطرہ ہو، جو اسلامی عقیدہ اور اقدار کا احترام نہ کرتا ہو اس سے سختی کے ساتھ پیش آئے اور کسی مصلحت کا شکار نہ ہو جائے۔

ہم کربلا کی طرف دیکھیں تو ہمیں حضرت عباسؑ کی سیرت یہی نظر آتی ہے کہ انہیں انفرادی طور پر امان دینے کا وعدہ بھی کیا گیا لیکن آپؑ نے ان کے اس وعدہ کو ٹھکرایا، آپؑ نے اپنی شخصی زندگی اور عقیدہ کی حفاظت پر اپنے دین کی حفاظت کو مقدم کیا اور دین الٰہی کی حفاظت کی خاطر قربانی دی اور تاریخ میں آپؑ کا یہ فرمان مشہور ہوا کہ:

وَاللّٰہِ اِنْ قَطَعْتُمْ یَمِیْنِیْ اِنِّیْ اُحَامِیْ اَبَدًا عَنْ دِیْنِیْ

خدا کی قسم اگر تم میرا دایاں ہاتھ کاٹ دو تب بھی میں ہمیشہ اپنے دین کی حمایت کروں گا۔

امام حسینؑ اور محمد حنفیہ دونوں حضرت علیؑ کے بیٹے ہیں لیکن ان کی سوچ اور عمل میں فرق نظر آتا ہے، اگر ہم امام حسینؑ اور محمد حنفیہ کی زندگی اور نظریات کا تقابل کریں تو ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ محمد حنفیہ نے اپنے شخصی ایمان اور انفرادی عقیدہ کو بچایا اور امام حسینؑ کو بھی یہ مشورہ دیا کہ وہ یمن کی طرف نکل جائیں تاکہ آپؑ کی زندگی محفوظ رہے اور اگر یمن میں بھی آپؑ کے لئے حالات سازگار نہیں رہے تو پہاڑوں کی طرف نکل جائیں۔ اگر امام حسینؑ یمن کی طرف یا کسی اور جگہ چلے جاتے تو آپؑ کی زندگی بھی محفوظ رہتی اور آپؑ کے انفرادی ایمان کو بھی کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا لیکن امام حسینؑ نے شخصی ایمان اور اپنا انفرادی عقیدہ بچانے پر اجتماعی دین اور اجتماعی ایمان کے بچانے کو ترجیح دی اور مصائب ومشکلات برداشت کرکے دین الٰہی کو بچایا۔

ہادی ہو

مجتہد کی گفتگو صرف فرعی مسائل میں منحصر نہیں ہونی چاہیے اور وہ بھی دوسروں کی کہی ہوئی باتوں پر، بلکہ اس کی گفتگو زندگی کے تمام شعبوں اور جدید مسائل کے بارے میں بھی ہونی چاہیے۔ لوگوں کو ان کی زندگی کے تمام مسائل اور روزمرہ مسائل میں ہدایت

اور رہنمائی کرے، بلکہ فقیہ کو اس انتظار میں نہیں رہنا چاہیے کہ لوگ جب آ کر مجھ سے اپنے مسائل کا حل دریافت کریں گے تو میں ان کو مسائل کا حل بتا دوں گا بلکہ لوگوں کے پوچھنے سے پہلے ہی ان کی ضرورت کے مسائل کا حل بیان کر دے۔ انسان کے اکثر مسائل مشترک ہوتے ہیں لہٰذا یہ سوال پیدا نہیں ہوسکتا کہ جب تک مجتہد کو لوگوں کے مسائل کا علم نہیں ہوگا یعنی اس سے سوال نہیں کیا جائے گا وہ کیسے ان کا حل بتا سکتا ہے۔ مجتہدین اسی روش پر عمل کرتے ہیں اور توضیح المسائل کے نام سے انسان کی ضرورت کے مسائل کو بیان کر کے ان کے حوالے کر دیتے ہیں اور اس انتظار میں نہیں رہتے کہ لوگ پہلے اپنے مسائل بیان کریں اس کے بعد ہم ان کا حل بیان کریں گے۔

زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق لوگوں کی رہنمائی و ہدایت کرنا مجتہدین کی ذمہ داری ہے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ زندگی کے دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد سے صرف اسی شعبہ سے متعلق سوال کئے جاتے ہیں مثلاً کوئی بیمار ہو تو ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے حجام یا انجنیر کے پاس نہیں جاتا، یہی صورتحال دوسرے شعبوں میں بھی ہے لیکن ایک مجتہد سے صرف فقہی مسائل معلوم نہیں کئے جاتے بلکہ زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلق بھی سوالات کئے جاتے ہیں اور یہی چیز ہم اپنے معاشرے میں بھی دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنی ہر قسم کی مشکلات کو اپنے شہر کے عالم دین کے سامنے رکھتے ہیں ،ان سے مشورہ مانگتے ہیں اور ان کا حل دریافت کرتے ہیں۔ پس ایک مجتہد کی ذمہ داری صرف فقہی اور فرعی مسائل کا بیان نہیں ہے بلکہ معاشرتی ضرورت کے تمام احکام بیان کرنا اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے مسائل میں لوگوں کو ان کے حل کی طرف رہنمائی کرنا مجتہد کا وظیفہ اور ذمہ داری ہے۔

مخالف ہوا و ہوس ہو

امام حسن عسکریؑ کی حدیث میں مرجع تقلید کے چار اوصاف بیان ہوئے ہیں: (۱) اپنے آپ کو ہر قسم کی لغزشوں اور گناہوں سے بچا کر رکھنے والا ہو (۲) اپنے دین کی حفاظت کرنے والا ہو (۳) خواہشات نفسانی کی مخالفت کرنے والا ہو (۴) اپنے مولا کے امر کی اطاعت کرنے والا ہو۔ ان اوصاف میں سے ایک یہ ہے کہ مجتہد کو اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی نہیں کرنی چاہیے ۔ مرجع تقلید اگر اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی شروع کر دے تو اس سے حق پر عمل اور حق کی تلقین کی توقع رکھنا عبث ہوگا۔

مرجع کے لئے یہ منصب ثابت ہے کہ وہ انبیاءؑ کا وارث ہے اور تمام انبیاء نے ہمیشہ اپنی خواہشات نفسانی کو ٹھکرا کر خدا کی رضامندی کا خیال رکھا ہے لہٰذا جو شخص انبیاءؑ کا وارث ہوگا اسے چاہیے کہ وہ بھی انبیاء کی طرح الٰہی احکام کے مقابلے میں اپنی خوہشات نفسانی کو دبائے رکھے۔

انسان جو نیک اور اچھے کام انجام دیتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں، کبھی وہ کام اس کی طبیعت کے مطابق ہوتے ہیں اور کبھی طبیعت کے مخالف ہوتے ہیں۔ پہلی صورت میں سب اہل خیر ہوں گے اور سب اس عمل کو انجام دیں گے کیونکہ اس عمل کو انجام دینے میں کوئی مانع نہیں ہے، بلکہ مناسب ماحول فراہم ہو رہا ہے اس لئے ہر شخص عام طور پر اسے انجام دے گا۔ لیکن دوسری صورت میں اکثر لوگ عمل کرنے سے رہ جاتے ہیں اور اسے انجام دینے پر خود کو قادر نہیں پاتے کیونکہ خواہشات نفسانی کی مخالفت کرتے ہوئے اور اپنی محبوب چیزوں کو ترک کرتے ہوئے اسے انجام دینا پڑتا ہے۔

بچوں کے لئے کھیلنا ان کی طبیعت کے مطابق ہے اور اس عمل کا انجام دینا ان کے لئے بہت آسان ہے اور یہ عمل انہیں لذت پہنچاتا ہے لیکن یہی عمل بوڑھوں کی طبیعت کے مخالف ہے اور اس کا انجام دینا بہت مشکل ہے بلکہ اکثر لوگوں کے لئے تو محال ہوتا ہے۔ اسی طرح بہادر جوانوں کے لئے دشمن سے مقابلہ کرنا آسان ہے کیونکہ یہ ان کی طبیعت کے عین مطابق ہے بلکہ ایسے افراد کو اگر مقابلہ کرنے کے لئے نہ بھیجا جائے اور کوئی آسان کام سونپ دیا جائے تو یہ کام ان کے لئے بہت سخت ہوگا، لیکن کمزور اور ضعیف آدمی کا مقابلہ پر جانا مخالف طبیعت ہے لہٰذا وہ اس عمل کے انجام دینے سے کتراتے ہیں۔

مرجع تقلید کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرے اور وہ عمل جسے خدا نے اس کے لئے ضروری قرار دیا ہے اگرچہ اس کی طبیعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو اسے انجام دے۔

اپنے مولا کے فرمان پر عمل کرنے والا ہو

امام حسن عسکریؑ کی حدیث میں مرجع تقلید کی چوتھی خصوصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ: مُطِيْعًا لِاَمْرِ مَوْلَاهُ، مرجع تقلید اپنے مولا کے فرمان کی اطاعت کرنے والا ہو۔ مرجع تقلید کو چاہیے کہ وہ اپنے مولا کے اوامر ونواہی کی پیروی کرے اور خدا ومعصومینؑ کا کلام اس کے نزدیک حجت کی حیثیت رکھتا ہو اور اس کی اطاعت کرنا اپنے لئے لازمی سمجھتا ہو۔

امام حسن عسکریؑ کی حدیث کے اس جملہ سے ہمیں دو پیغام ملتے ہیں، پہلا پیغام یہ کہ مرجع کی یہ خصوصیت سابقہ تین خصوصیتوں سے زیادہ حساس اور اہم ہے اور

اس کا رتبہ باقی تین کی نسبت زیادہ ہے۔ ممکن ہے بہت سارے افراد سابقہ تین مرحلوں کو طے کر لیں لیکن اس مرحلہ کو طے کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں، یعنی ایسے افراد ہیں جو صیانت نفس، حفاظت دین اور خواہشات نفسانی کی مخالفت میں اس مقام پر ہوں کہ مولا ان سے موافق ہو، لیکن جیسے ہی مولا کی رائے ان کی رائے کے خلاف نظر آئے وہ اپنی رائے کو ترجیح دیتے ہوں اور مولا کی رائے کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہوں۔ اس مرحلہ میں وہ لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں جو اپنے مولا کے فرمان پر عمل کریں، چاہے وہ اس فرمان کو مولا سے سنیں یا انہیں یہ فرمان روایات سے سمجھ میں آ جائے، وہ شرع کی نظر کے مقابل اپنے آپ کو صرف پیروی کرنے والا سمجھ لے اور اپنے نظریہ کو شریعت کے نظریہ پر مقدم نہ کرے۔

امام حسن عسکریؑ کی حدیث کے اس جملہ سے ہمیں دوسرا پیغام یہ ملتا ہے کہ سابقہ تین خصوصیات (صیانت نفس، حفاظت دین اور خواہشات نفسانی کی مخالفت) اس صورت میں قابل قدر و قابل تعریف ہیں جب مولا اس سے راضی ہو، اگر مولا اس سے راضی نہ ہو اور وہ اپنے نفس کو ہر قسم کے گناہوں سے کیوں نہ بچاتا ہو، اپنے دین کی حفاظت کیوں نہ کرتا ہو اور خواہشات نفسانی کی مخالفت کیوں نہ کرتا اس کا یہ عمل کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

نہروان کے خوارج سے بڑھ کر عبادت انجام دینے والا کون تھا لیکن ان کی یہ عبادت خشک عبادت تھی جس میں اپنے زمانے کے امام کی رضامندی شامل نہ تھی لہٰذا ان کی یہ عبادت ان کے کسی کام نہ آئی۔

زید بن علی ایک ایسی شخصیت ہے جس کے بارے میں امام جعفر صادقؑ نے

فرمایا: زید عالم اور صدوق تھا اور اس نے کسی آدمی کو اپنی ذات کی طرف نہیں بلایا بلکہ تم لوگوں کو آل محمدؐ کی خوشنودی کی طرف بلایا۔(۱)

شیخ مفید ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ زید اپنے بھائیوں میں پانچویں امام کے بعد سب سے زیادہ عابد، صاحب تقوی، فقیہ، سخی اور شجاع تھے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے تھے اور امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تلوار اٹھائی تھی۔(۲)

زید بن علی میں پہلی تین خصوصیات موجود تھی لیکن چوتھی خصوصیت ان کے اندر موجود نہیں تھی کیونکہ زید کا بیٹا کہتا ہے کہ امام محمد باقرؑ نے میرے باپ کے کان تک یہ بات پہنچائی تھی کہ وہ قیام نہ کرے اور اسے آگاہ کیا کہ اس کا قیام امام کی راہ پر نہیں ہے۔(۱)

مستقل نظریہ رکھتا ہو

آخری دو خصوصیات یعنی خواہشات نفسانی کی مخالفت اور مولا کے فرمان کی اطاعت کی شرط سے جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ مجتہد کو اپنے نظریہ میں مستقل ہونا چاہیے۔ مجتہد کو اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے کسی چیز یا کسی شخص کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ مجتہد کو صرف دین الٰہی کا تابع ہونا چاہیے، اس کا ظاہر و باطن اور رائے و نظریہ دین الٰہی سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ اگر کوئی فقیہ کسی شخص یا گروہ کی رضایت کی خاطر گفتگو کرے یا ان کے خوف سے حق بات نہ کہے یا خلاف حقیقت بات کہہ دے تو ایسا

.....

۱۔ وسائل ۱۱/ ۳۶/ ۱ ۲۔ ارشاد مفید ۲/ ۱۷۱

۱۔ صحیفہ سجادیہ ص ۶

فقیہ مرجع نہیں ہوسکتا۔ رسول خدا نے فرمایا: اَلْفُقَهَاءُ اُمَنَاءُ الرُّسُلِ مَالَمْ يَدْخُلُوْا فِي الدُّنْيَا قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا دُخُوْلُهُمْ فِي الدُّنْيَا قَالَ اِتِّبَاعُ السُّلْطَانِ فَاِذَا فَعَلُوْا ذَالِكَ فَاحْذَرُوْهُمْ عَلٰى دِيْنِكُمْ، فقہاء رسولوں کے امین ہیں جب تک دنیا میں داخل نہ ہوجائیں، پوچھا گیا: یا رسول اللہ! دنیا میں داخل ہونے سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: حاکم کی پیروی، پس اگر کوئی فقیہ حاکم کی پیروی کردے تو تم لوگ اپنے دین کے سلسلہ میں اس سے پرہیز کرو۔(۱)

فقیہ اس وقت اپنے نظریہ میں مستقل ہوسکتا ہے جب وہ عصبیت، تنگ نظری، عوام کی تقلید اور خودسپردگی یعنی خود کو کسی دوسرے کے حوالہ کرنے سے پرہیز کرے۔

عصبیت اخلاقی برائیوں میں سے ایک ہے اور معصومینؑ کی طرف سے اس سے منع کیا گیا ہے۔ عصبیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان تمام چیزوں کا محور خود کو تصور کرے اور صرف ایک ہی جانب نظر رکھے اور اپنی بات پر ہی اصرار کرے۔ فقیہ اپنے آپ کو عالم سمجھنے اور دوسرے کو جاہل سمجھنے کی وجہ سے دوسرے کی بات سننے سے انکار کردے حتی علماء اور فضلاء کے مشوروں پر بھی کان نہ دھرے۔ قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے رسول خداؐ سے فرمایا ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ، اپنے امور میں لوگوں سے مشورہ کریں۔(۲)

تنگ نظری کا مطلب یہ ہے کہ مرجع صرف کچھ خاص مدارک کی طرف ہی رجوع کرے دوسروں کے نظریات کو ملاحظہ کرنے سے پرہیز کرے حتی ان چیزوں

.....

۱۔ اصول کافی ج۱ ص۴۶ ۲۔ سورہ آل عمران آیت ۱۵۹

سے بھی پرہیز کرے جن کے ذریعے حق واضح ہوسکتا ہو اور قانون کے مطابق جس راہ پر چلنا چاہیے اس راہ پر نہ چلے اور جن مدارک کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے ان کی طرف رجوع نہ کرے بلکہ ان مدارک میں سے صرف چند خاص مدارک اور خاص طریقہ پر ہی عمل کرے۔

عوام کی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد فتوی دیتے ہوئے اس خیال سے کہ لوگ اس کی بات نہیں مانیں گے، لوگوں کی رضایت اور خوشنودی کا خیال رکھتے ہوئے ان کی خواہش کے مطابق فتوی دے۔ یا اس خیال سے کہ وجوہات شرعیہ اور لوگوں کی آمد ورفت زیادہ ہوجائے کوئی ایسا فتوی نہ دے جو ان کے احساسات کو مجروح کردے اور اس سے دوری کا باعث بنے۔ مرجع کو صرف خدا کی خوشنودی کا خیال رکھنا چاہیے اور دین الٰہی کے مطابق حکم الٰہی کو بیان کرنا چاہیے، مرجع اس بات کی طرف نظر نہ رکھے کہ لوگ اس فتوی سے خوش ہوتے ہیں یا ناراض ہوتے ہیں۔

خودسپردگی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی شخص یا گروہ پر تکیہ کرے یا ان سے خوفزدہ ہونے کی وجہ سے ان کی تائید میں فتوی دے۔ خدا سے ڈرنے کے بجائے ان سے ڈرے اور خدا سے عزت حاصل کرنے کے بجائے ان لوگوں کی طرف سے عزت حاصل کرنے کی آس لگائے رہے۔

پس مرجع کو چاہیے کہ اسے اپنے نظریہ میں مستقل ہونا چاہیے اور عصبیت، تنگ نظری، عوام کی تقلید اور خودسپردگی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ صفت اسے حاصل ہوسکتی ہے جو صاحب تقوی ہو اور شجاعت کی صفت اس میں موجود ہو تاکہ فتوی دیتے وقت کسی سے خوفزدہ ہوئے بغیر حکم الٰہی کو لوگوں تک پہنچا سکے۔

عادل ہو

مرجع کے لئے عادل ہونا ضروری ہے۔ عدالت کا مطلب یہ ہے کہ انسان گناہان کبیرہ سے اجتناب کرے اور گناہان صغیرہ پر اصرار نہ کرے یعنی بار بار اس گناہ کو انجام نہ دے اور واجب اور اہم امور جیسے نماز جماعت کو انجام دے۔

مرجع کے لئے عدالت کے ضروری ہونے پر قوی ترین دلیل عبداللہ بن یعفور کی صحیحہ ہے۔ عبداللہ بن یعفور جو خود ایک فقیہ تھے امام جعفر صادقؑ سے سوال کرتے ہیں کہ عدالت کس طرح پہچانی جاتی ہے؟۔ امامؑ نے فرمایا: تم لوگ پیٹ، شرمگاہ، ہاتھ اور زبان کو گناہ سے بچانے کو عدالت سمجھتے ہو اور ان گناہان کبیرہ کے اجتناب کے ذریعہ عدالت کی پہچان ہونی چاہیے جن کے انجام پر خدا نے عذاب کا وعدہ کیا ہے جیسے شراب پینا، زنا، سود، عاق والدین اور جنگ سے بھاگ جانا۔ عدالت کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے تمام مخفی عیبوں کی پردہ داری کرنے والا ہوتا کہ لوگوں پر اس کے دوسرے عیوب کو تلاش کرنا حرام ہو اور لوگوں کے درمیان اس کا تزکیہ نفس اور عدالت کا اظہار واجب ہو اور نماز پنجگانہ کے اوقات کی حفاظت کرے اور انہیں جب کوئی عذر نہ ہو تو مسلمانوں کے ساتھ با جماعت ادا کرے اور جب عذر شرعی موجود ہو تو وقت پر اپنی نماز ادا کرے، اگر محلہ والوں یا اس کے قبیلہ کے افراد سے اس کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ اس کے اہل خیر ہونے کی تصدیق کریں۔ لوگوں کی یہ گواہی مسلمانوں کے درمیان اس کی عدالت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ نماز گناہوں کو چھپانے والی اور ان کا کفارہ ہے۔(۱)

.....

۱۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۳ ص ۳۸

صفات نفسی

مرجع کے لئے کچھ دوسری خصوصیات کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔

سادگی اور قناعت پسندی رکھتا ہو

مرجع لوگوں کا رہبر اور امیر ہوتا ہے اور اسلام کی نگاہ میں لوگوں کے رہبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاشرہ کے کمزور فرد کی طرح زندگی گزارے۔

امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں: خدا نے حق کے رہبروں پر واجب قرار دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو تنگدست افراد کی طرح گزاریں تا کہ فقیر پر اس کا فقر گراں نہ گزرے۔(۱)

حضرت علیؑ مزید فرماتے ہیں: اَ اَقْنَعُ مِنْ نَفْسِیْ بِاَنْ یُقَالَ هٰذَا اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا اُشَارِکُهُمْ فِیْ مَکَارِهِ الدَّهْرِ، کیا میں اس بات پر خوش رہوں کہ لوگ مجھے امیر المؤمنین کہتے ہیں اور میں ان کے ساتھ زمانے کی مشکلات میں شریک نہ ہوجاؤں۔(۲)

مروت رکھتا ہو

مرجع کے لئے ضروری ہے کہ اس میں مروت کی صفت موجود ہو۔ مروت ایک ایسی صفت ہے جو انسان کو مکارم اخلاق اور اچھی عادات کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

روایات میں مروت کے مصادیق کو بیان کرتے ہوئے دو عنوان کلی (مکارم الاخلاق اور محاسن عادات) کے علاوہ ان موارد کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ ۱۔ حفظ دین۔

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۰ ۲۔ نہج البلاغہ، خط ۴۵

۲۔ناپاک چیزوں سے نفس کی حفاظت۔ ۳۔امور زندگی کی اصلاح۔ ۴۔عزت نفس۔ ۵۔مکارم الاخلاق کے مصادیق یہ ہیں،حسن معاشرت،لوگوں سے تعلقات،نرم گفتگو اور سلام کرنا،لوگوں سے محبت،کھانا کھلانا اور شرعی حدود کا خیال رکھتے ہوئے مذاق کرنا۔ ۶۔حقوق ادا کرنا۔ ۷۔عفت۔ ۸۔صبر۔ ۹۔نیک کام انجام دینے کا عہد کرنا۔ ۱۰۔ہمسایہ کو تنگ نہ کرنا۔۱۱۔تلاوت قرآن۔ ۱۲۔پابندی سے مسجد میں نماز جماعت ادا کرنا۔ ۱۳۔اہل خیر اور علماء کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔ ۱۴۔اسلامی احکام کے سمجھنے میں نظر رکھنا۔ ۱۵۔ہر حالت میں ذکر خدا میں مشغول ہونا۔ ۱۶۔لوگوں کے راز کی حفاظت کرنا۔ ۱۷۔غیبت نہ کرنا اور بخل سے کام نہ لینا۔ ۱۸۔دوستوں کی مخالفت نہ کرنا۔ ۱۹۔احسان وتفضّل۔ ۲۰۔سخاوت اور درگذر کرنا۔

وسعت قلبی رکھتا ہو

مجتہد ومرجع کو چاہیے کہ کشادہ دلی اور وسعت قلبی سے کام لے۔کشادہ دلی اور وسعت قلبی کی علامات یہ ہیں: دوسروں سے تواضع کے ساتھ پیش آئے،لوگوں کو اپنے ساتھ بٹھائے اور خود سے دور نہ کرے،غصہ اور جھگڑا نہ کرے،غلطی کو معاف کرے،لوگوں کی خطاؤں کو آرام اور اخلاقی انداز سے سمجھائے۔

خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں رسول خداؐ سے فرماتا ہے:وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ،اور ایمانداروں سے کندھے جھکا کر ملو۔(۱)

اگر مرجع لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش نہ آئے تو لوگ اس کے

.....

۱۔سورہ حجر آیت ۸۸

پاس آنے سے کترائیں گے اور متفرق ہو جائیں گے۔قرآن مجید میں رسول خدا ؐ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ،(اے رسول!) یہ بھی خدا کی مہربانی ہے کہ تم سا نرم دل سرداران کو ملا اور تم اگر بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ (خدا جانے کب کے) تمہارے گرد سے تتر بتر ہو چکے ہوتے پس (اب بھی) تم ان سے درگذر کرو اور ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگو۔(۱)

نرم گفتگو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اختیار سے نادان اور جاہل قسم کے لوگوں سے نرم انداز میں گفتگو کرے، نہ خوف اور ڈر کی وجہ سے۔لیکن اس کے برعکس ظالم افراد سے نرم لہجے میں بات نہ کرے بلکہ ان سے سخت لہجے میں کرنی چاہیے۔

کشادہ دلی کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ لوگ اپنے محبوب مرجع کے احترام کے علاوہ اس کا حق ضائع نہیں کرتے ،اس (کی بات اور چہرے) سے نہیں ڈرتے اور اس کی زیارت اور ملاقات کے مشتاق ہوتے ہیں۔

خوش اخلاق ہو

انسان کو اپنی طرف راغب اور انسانوں کی ہدیت کرنے کا ایک اہم ذریعہ اچھی گفتگو ہے،تاکہ بات انسان کے دل کی گہرائی میں اتر جائے لہٰذا مرجع کو اچھی گفتگو کا مالک ہونا چاہیے۔خدا ارشاد فرماتا ہے:اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ،اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی گفتگو کے ذریعہ بلاؤ۔(۲)

.....

۱۔سورہ آل عمران آیت ۱۵۹ ۲۔سورہ نحل آیت ۱۲۵

تقلید پر اعتراضات اور جوابات

پہلا اعتراض:

بعض لوگ دعوی کرتے ہیں کہ تقلید ایک نیا مسئلہ ہے، جس کا ذکر فقہی کتب میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اور تقلید کا سلسلہ شیخ نجم الدین ابوالقاسمؒ (جو محققؒ کے نام سے مشہور ہیں) سے شروع ہوا ہے اور محققؒ ۶۰۲ھ میں پیدا ہوئے ہیں جبکہ امام زمانہؑ کی غیبت کبری کا زمانہ ۳۲۹ھ میں شروع ہوا، اتنے طویل عرصے تک تقلید نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی، لہٰذا اعمال اور معاملات کی صحیح انجام دہی کے لئے (مجتہد کی) تقلید ضروری نہیں ہے۔؟

جواب:

اس دعوے میں کوئی گہرائی دکھائی نہیں دیتی کیونکہ تقلید تو فطری مسائل میں سے ہے اور اس کی ضرورت وہ تمام افراد محسوس کرتے ہیں جو میدان حیات میں اپنی براہ راست اپنی ذمہ داریوں کا علم نہیں رکھتے۔ ایسے افراد رہنمائی کے حصول کے لئے ازخود فطری طور پر ایسے افراد کی تلاش میں رہتے ہیں جو ان کو درپیش مسائل میں ماہر ہوں تاکہ اگر ایسے افراد مل جائیں تو ان سے اپنے مسائل کے حل اور ان کے جوابات دریافت کرسکیں۔

مسلمانوں کے درمیان ایسے بہت سے لوگ رہتے ہیں جو اسلامی احکام کا وسیع علم نہیں رکھتے، بلکہ تمام چیزوں کا علم نہ ہونا ایک قدرتی بات ہے۔

اسلام نے قطعی طور پر انسان کو پروردگار عالم کے سامنے جوابدہ قرار دیا ہے

اور اسے اس دین کی حدود میں رہتے ہوئے زندگی بسر کرنے کا مکلف قرار دیا ہے۔ کیونکہ اسے بارگاہ الٰہی میں ان امور کا جواب دینا ہے جن کو اسلام نے انجام دینے سے منع کیا ہے اور جواب دیتے وقت لازمی طور پر اسے اپنے اعمال کی دلیل پیش کرنا ہوگی یا کم از کم ان کا عذر اسے پیش کرنا پڑے گا۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اس روش کی بنیاد پر جس پر ان کی تربیت ہوئی ہے اور جس پر ان کی عادت استوار ہے اس قسم کے مسائل میں اپنے علماء سے رجوع کرتے ہیں۔ حیاتِ پیغمبر ؐ میں لوگ آنحضرت سے رجوع کرتے تھے کیونکہ آنحضرت صاحب رسالت اور اس دور میں دین کے تمام امور سے آگاہ ترین فرد تھے۔ وہ تمام آیات قرآنی جن میں ،یَسْئَلُوْنَكَ،(آپ سے پوچھتے ہیں) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ،ان میں واضح ہے کہ مسلمان قدرتی طور پر اور ازخود پیش آمدہ مسائل و مشکلات اور علمی ضروریات کے بارے میں پیغمبر اسلام ؐ سے سوال کرتے تھے۔

قرآن مجید ان افراد پر تنقید و اعتراض کرتا ہے جو بغیر کسی دلیل اور حجت کے دعوت حق اور اس فطری مسئلہ کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں اور اس فطری مسئلے پر تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ: فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ، اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے دریافت کرو۔(۱)

ایک دوسرے مقام پر جب قرآن مجید لوگوں کے ایک گروہ کے میدان جہاد سے دور رہنے کی ضرورت کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

.....

۱۔ سورہ نحل آیت ۴۳

لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ، تا کہ وہ علم دین حاصل کریں اور پھر جب اپنی قوم کی طرف لوٹ کر آئیں تو انہیں عذاب الٰہی سے ڈرائیں کہ شاید وہ اسی طرح ڈرنے لگیں۔(۱)

اس طرح کی رہنمائی کا عوامی زندگی پر مثبت اثر لازم ہے، کیونکہ پروردگار عالم چاہتا ہے کہ علماء اور دینی امور کی سمجھ بوجھ رکھنے والے افراد لوگوں کو متنبہ کریں، ان تک دین کا پیغام پہنچائیں، اور ان کے اذہان کو دین کے بارے میں مطمئن کریں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور سے تعلق رکھنے والے مسلمان، فقہی مسائل سے ایک حد تک آگاہ اور آشنا اصحاب رسولؐ سے دینی مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ یہ معمول دور ائمہؑ تک جاری رہا۔ ائمہ اطہارؑ اپنے گھروں یا مسجدوں میں خاص اس مقصد کے لئے نشست منعقد کیا کرتے تھے کہ لوگ مختلف (اعتقادی اور شرعی) میدانوں میں اپنے مسائل کے بارے میں ان سے سوال کر کے، انکے جواب حاصل کریں۔ احکام شرع کے بیان پر مشتمل ہم تک پہنچنے والی ائمہ اہلبیتؑ کی زیادہ تر احادیث وروایات، کسی فقہی قاعدے اور اس کی تشریح وتفصیل کو گفتگو کا محور بنانے کے بجائے سوال اور جواب کی صورت میں ہیں۔

شیعوں کا بھی یہ دستور رہا ہے کہ وہ اصحاب ائمہؑ کی خدمت میں اپنے شرعی مسائل پیش کیا کرتے تھے اور اس عمل نے تقلید کی بنیاد ڈالی۔ غیبت کبریٰ کے بعد بھی شیعوں نے علماء کی طرف رجوع کرنے کی اس روش کو جاری رکھا۔ اس روش کو امام زمانہؑ

.....

۱۔ سورہ توبہ آیت ۱۲۲

کے اس قول سے مزید تقویت ملی کہ: وَاَمَّا الْحَوَادِثُ الْوَاقِعَةُ فَارْجِعُوْا فِيْهَا اِلٰى رُوَاةِ اَحَادِيْثِنَا فَاِنَّهُمْ حُجَّةٌ عَلَيْكُمْ ، پیش آمدہ حوادث کے موقع پر ہماری احادیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو، کیونکہ وہ تمہارے لئے حجت ہیں۔(۱)

ایک اور روایت ہے جسکی حجیت پر دلالت کے لحاظ سے مقبول ہونے کے باوجود بعض لوگ تقلید کے سلسلے میں نزاع کھڑا کرتے ہیں، اس روایت میں فرمایا گیا ہے کہ: وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ صَائِنًا لِنَفْسِهٖ حَافِظًا لِدِيْنِهٖ مُخَالِفًا لِهَوَاهُ مُطِيْعًا لِاَمْرِ مَوْلَاهُ فَلِلْعَوَامِ اَنْ يُقَلِّدُوْهُ، فقہا میں سے وہ فقیہ جو پرہیزگار، اپنے دین کا محافظ، اپنی نفسانی خواہشات کا مخالف اور احکام الٰہی کا مطیع وفرمانبردار ہو، لوگوں کو چاہئے کہ اس کی تقلید کریں۔(۲)

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ اپنے زمانے کے علماء سے رجوع کیا کرتے تھے۔ لیکن جس طرح آج نظر آتا ہے کہ تمام شیعہ یا ان کا ایک بڑا گروہ کسی ایک مرجع سے رجوع کرتا ہے، ایسی بڑی اور وسیع دینی مرجعیت ومرکزیت کا وجود (اُس دور میں) واضح نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے کے حالات ایک شخص کے ساتھ شیعوں کے اس قدر وسیع روابط کے قیام کے لئے سازگار نہ تھے، اور ان حالات نے شیعوں کے لئے اپنے تمام امور ومعاملات میں، ایک مرجع سے رجوع کرنے کو مشکل اور غیر ممکن بنا دیا تھا۔

لہٰذا شیعہ اپنے اپنے علاقوں کے علماء سے رجوع کیا کرتے تھے اور کچھ چوٹی کے شہرت یافتہ شیعہ علماء، جیسے شیخ مفیدؒ اور سید مرتضیٰؒ سے، دور دراز کے رہنے والے

.....

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۱۴۰ ۲۔ وسائل الشیعہ ج ۲۷ ص ۱۳۱

شیعہ بھی استفادہ کرتے تھے اور انکی خدمت میں اپنے سوال پیش کرتے تھے اور ان کے جواب پاتے تھے۔شیخ مفیدؒ کی کتابوں میں ہمیں ''المسائل الطرابلسیہ'' نامی کتاب بھی نظر آتی ہے جو طرابلس میں رہنے والے شیعوں کے سوالات اور شیخ مفید کے جوابات پر مشتمل ہے،اسی طرح سید مرتضیٰؒ کی کچھ کتابیں بھی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہیں۔ البتہ اس کے یہ معنی نہیں ہے کہ اس زمانے میں ،اعلیٰ اور ہمہ گیر مرجعیت ،نامی کوئی چیز موجود نہ تھی ،جو آئندہ ادوار میں بھی جاری رہی ہو۔لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ مسئلہ تقلید کی صورت یہ تھی ایران سے تعلق رکھنے والے شیعہ،ایرانی علماء سے رجوع کرتے تھے،اور عراق اور لبنان کے شیعہ اپنے ممالک کے علماء سے رجوع کرتے تھے،البتہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ علماء میں سے کوئی ایک عالم غیر معمولی شخصیت کا حامل ہوجاتا تھا اور تمام لوگ اس کی طرف رجوع کرنے لگتے تھے،لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگ اس بات کے پابند نہیں ہوتے تھے کہ ہر مسئلے میں اسی کی طرف رجوع کریں بلکہ صرف اضطراری اور اسی طرح کے حالات میں اس کی رائے دریافت کرتے تھے۔

اس بنیاد پر ہم یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ اگرچہ تاریخ کے اس دور میں شیعہ مرجعیت اعلیٰ کا وجود نہ تھا ،البتہ تقلید موجود تھی ۔کیونکہ جاہل کا عالم کی جانب رجوع کرنے کی بنیاد پر انسانی زندگی میں تقلید ایک فطری اور طبعی بات ہے۔

تاریخی حقیقت تو یہ ہے کہ اجتہاد اور تقلید کا حکم تو امامؑ کے زمانے ہی سے شیعوں میں رائج تھا ائمہ معصومینؑ تقلید کے مکتب اور نظام کو خود قائم کر گئے تھے جیسا کہ پچھلے دلائل سے ثابت ہے کہ خود چھٹے امامؑ نے ابان کو ''وَاَفْتِ النَّاسَ'' کہہ کر فتوی دینے کا حکم دیا تھا بلکہ یہ بھی فرمایا تھا کہ میں آئندہ بھی اپنے شیعوں میں تم جیسے فتوی دینے

والے لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔ یہ فتوی دینے کا حکم صرف ابان ہی کے لئے نہیں تھا، بلکہ اس میں عوام کے لئے بھی پیغام تھا کہ وہ ان کے فتوی کی پیروی کریں یا امام حسن عسکریؑ کا یہ کہنا ''فَلِلْعَوَامِ اَنْ یُقَلِّدُوْہُ،عوام کے لئے لازم ہے کہ وہ مجتہد کی تقلید کریں'' یا امام زمانہؑ کی توقیع (توقیع کا مطلب یہ ہے کہ امام زمانہؑ کو کسی سلسلے میں خط لکھا جائے اور آپؑ اسی خط کے نیچے اپنا جواب تحریر کر کے واپس بھیج دیں) ''فَارْجِعُوْا فِیْھَا اِلٰی رُوَاۃِ اَحَادِیْثِنَا، ہماری حدیثوں کے راویوں کی طرف رجوع کرو'' یا معاذ بن جبل کے اجتہاد پر رسول خداؐ کی پسندیدگی کا اظہار کرنا، اس روایت کو شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسیؒ نے اپنی کتاب العدہ فی اصول الفقہ، میں نقل کیا ہے کہ: جس وقت پیغمبر اسلامؐ نے اپنی طرف سے معاذ بن جبل کو یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو حضرتؐ نے ان سے پوچھا کہ حکومت کرنے میں تمہاری روش کیا ہوگی؟ تو معاذ نے عرض کیا کہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ کے مطابق عمل کروں گا، حضرتؐ نے فرمایا جس مسئلے میں تمہیں میرا حکم نہ ملے تو کیا کرو گے؟۔ معاذ نے عرض کیا کہ میں اس وقت اجتہاد کروں گا اور انتہائی کوشش کروں گا کہ میرا فیصلہ روح احکام خدا کے مطابق ہو۔ یعنی یہاں پر بھی ان کی یہی مراد ہے کہ وہ اپنے سامنے موجود کلیات سے جزئیات کا حکم معلوم کریں گے اسی صورت میں ان کا حکم احکام خدا کی روح کے مطابق ہوگا، وہ حکم احکامِ خدا کی روح کے مطابق نہیں ہوسکتا جو انہوں نے قرآن وسنت کے مقابلے میں بیان کیا ہو۔ یہ سن کر آپؐ نے معاذ کی تعریف کی اور ان کی تصدیق فرمائی۔ احادیث وروایات سے قطع نظر اگر ہم تاریخ پر بھی نگاہ ڈالیں تو بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نہ صرف تقلید بلکہ تقلید اعلم، غیبت کبریٰ کی شروعات ہی سے رائج رہی ہے۔ بارہویں امامؑ کی غیبت کبریٰ سے بالکل متصل زمانہ

ہمارے متقدمین علماء کا زمانہ ہے اس میں بھی سید مرتضیٰؒ کی اعلمیت کا قول پایا جاتا ہے جو علم الھدیٰ کے لقب سے مشہور ہیں۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ امامؑ کی غیبت صغریٰ ۳۲۹ھ میں ختم ہوئی، اور غیبت کبریٰ شروع ہوئی اور سید مرتضیٰ علم الھدیٰؒ، کی پیدائش ۳۵۵ھ میں ہوئی اور وفات ۴۳۸ھ میں ہوئی۔یعنی بارہویں امامؑ کی غیبت کبریٰ کے ۲۶ سال بعد سید مرتضیٰ علم الھدیٰ پیدا ہوئے اور پھر نہ صرف یہ کہ اجتہاد وتقلید کے جواز پر بلکہ مجتہد اعلم کی پیروی کرنے پر سید مرتضیٰؒ کا فتویٰ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ تقلید اعلم پر غیبت کبریٰ کے اوائل ہی سے عمل کیا جاتا رہا ہے۔لہٰذا یہ کہنا کہ المحققؒ جن کی پیدائش ہی ۶۰۲ھ میں ہوئی ہے، نے سب سے پہلے اجتہاد وتقلید کا نظریہ قائم کیا، تاریخی اعتبار سے غلط ہے۔ تقلید کے مسئلے میں ''المحقق'' کے کسی کردار کی جو بات کی جاتی ہے وہ نہ صرف یہ کہ شیعی نقطہ نظر کو ثابت نہیں کرتا بلکہ تاریخی اعتبار سے بھی سید مرتضیٰؒ کا مجتہد اعلم کی تقلید کا فتویٰ ان کی تحقیق کو غلط ثابت کرتا ہے۔

البتہ تقلید اعلم کے بارے میں علماء میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔آیت اللہ العظمیٰ آقائے السید ابوالقاسم الموسوی الخوئیؒ نے اپنے درس خارج میں یہ بیان بھی کیا ہے کہ ہمارے قدیم علماء جن کا زمانہ، غیبت کبریٰ کے اوائل سے متصل ہے ان میں اعلمیت یعنی سب سے زیادہ جاننے والے کی تقلید کرنے کا قول پایا جاتا ہے۔یہ قول متاخرین علماء میں ضعیف ہوگیا اور پھر متاخر المتاخرین علماء میں یہ قول پوری شدومد کے ساتھ دوبارہ آیا۔

تاریخ سے تو یہ بھی ثابت ہے کہ اہل سنت کے یہاں چوتھی صدی ہجری یا اس

کے بعد اگر کوئی مجتہد پیدا ہوا تو اس کی پیروی یا تقلید نہیں کی گئی لیکن اس سے پہلے جتنے بھی مجتہدین آئے وہ سب اپنے پیروکار اور مقلدین رکھتے تھے یعنی یہ صرف فقہ شیعہ ہی نہیں کہ جس میں تقلید کا رواج تھا بلکہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے تک اہل سنت میں بھی اجتہاد و تقلید ہوتی تھی اگر چہ بعد میں انہوں نے تقلید ۴، اماموں (ابو حنیفہ ،شافعی، مالک، احمد ابن حنبل) میں محدود کر دیا۔

دوسرا اعتراض:

تقلید کے حرام ہونے پر کئی آیات اور روایات دلالت کرتی ہیں جیسے جب انبیاءؑ کفار کو دین الٰہی کی طرف دعوت دیتے تھے اور کفر و شرک کو چھوڑ کر ایک خدا کی پرستش کی دعوت دیتے تھے تو وہ اس انداز میں جواب دیتے تھے: اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ، ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا اور ہم ان کی ہی اقتدا کرتے جا رہے ہیں۔(۱) ان کے قول کے جواب میں انبیاءؑ ان کی غلط تقلید کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے تھے: قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ، پیغمبر نے کہا جس طریقہ پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا اگر چہ میں تمہارے پاس اس سے کہیں بہتر راہ راست پر لانے والی چیز لے کر آیا ہوں (تو بھی نہ مانو گے)، وہ بولے کچھ بھی ہو ہم اس دین کو نہیں ماننے والے جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے۔(۲)

.....

۱۔ سورہ زخرف آیت ۲۳ ۲۔ سورہ زخرف آیت ۲۴

جواب:

پہلی بات تو یہ کہ ان آیات میں تقلید سے منع کرنے کے حوالے سے جو کچھ کہا گیا ہے وہ کفار کے بارے میں ہے، جب ان سے نیک اعمال اور خدائے یکتا کی پرستش کرنے اور برے اعمال اور بت پرستی سے رکنے کو کہا جاتا تھا تو وہ جواب دیتے تھے کہ: اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ، ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا اور ہم ان کی ہی اقتدا کرتے جارہے ہیں۔ کفار پیغمبر خداؐ کے خلاف ہونے اور اپنی بری اور فاسد عادات کی پیروی کرنے کے علاوہ انبیاء کے معجزات اور دلائل کے مقابلے میں اپنے آباء واجداد کے غلط عقائد اور طریقوں کو پیش کرتے تھے اور ان کی اتباع کرتے تھے اور یہ بات واضح ہے کہ ان کے آباء واجداد بھی انہی کی طرح جاہل وناداں تھے، پس درحقیقت اس آیہ شریفہ میں جاہلوں اور نادانوں کی تقلید سے روکا گیا ہے نہ صاحبان علم کی تقلید سے۔

اس حوالے سے ہم شروع میں واضح کر چکے ہیں کہ شریعت اسلامی اس قسم کی تقلید کی بالکل اجازت نہیں دیتی اور شریعت نے اس قسم کی تقلید کی بہت مذمت کی ہے۔

دوسری بات یہ کہ ان آیات اور روایات میں تقلید سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہاں تقلید سے مراد اصول دین میں تقلید ہے اور ہمارے مکتب کا نظریہ یہ ہے کہ اصول دین میں تقلید جائز نہیں ہے۔ اصول دین عقل سے درک وفہم کرنے کی چیز ہے، خدا کا وجود اور وحدانیت، خدا کی عدالت، نبوت انبیاء، امامت اور قیامت یہ تمام عقائد وہ ہیں جنہیں پہلے عقل کے ذریعے ثابت کرنے کی ضرورت ہے، خصوصا مسئلہ توحید ونبوت کو اگر عقل سے ثابت نہ کریں تو کوئی اور طریقہ نہیں جس کے ذریعے یہ دونوں چیزیں ثابت

کی جاسکیں اور عقل ایسی نعمت خداوندی ہے جو ہر انسان کے پاس ہے اور انسان اسی عقل کے ذریعے اچھے برے میں امتیاز کرتا ہے لہٰذا یہ آیت اصول دین میں تقلید کرنے سے منع کرتی ہے۔ اسی طرح روایات میں بھی تقلید سے ممانعت کی جو بات نظر آتی ہے اس سے بھی اصول دین میں تقلید مراد ہے۔

جو لوگ تقلید کے حرام ہونے کا فتوی دے رہے ہیں اور لوگوں کو تقلید نہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں، کیا وہ خود تقلید کے حرام ہونے کا فتوی نہیں دے رہے ہیں؟ کیا لوگوں کے لئے ان کی باتوں کی پیروی اور ان کی تقلید کرنا غلط نہیں ہے؟۔ درحقیقت وہ فتوی اور تقلید کے حرام ہونے پر فتوی دیتے ہوئے اپنے ہی دعوی کو غلط ثابت کر رہے ہیں اور تقلید و اجتہاد کے جواز کو ثابت کر رہے ہیں۔

تیسرا اعتراض:

غیر معصوم میں خطا کا احتمال ہے اور خطاء کے احتمال کے باوجود کسی غیر معصوم کی تقلید کیسے کی جاسکتی ہے؟ اور کیا یہ احتمال تقلید کے لئے مانع نہیں ہے؟۔

جواب:

اولاً یہ کہ یہ کوئی لازم نہیں ہے کہ اگر کوئی معصوم نہ ہو تو اس کی اطاعت اور پیروی نہیں کرنی چاہیے بالفاظ دیگر عقل اور شرح کی نظر سے عصمت اور اطاعت ایک دوسرے کا ملازمہ نہیں ہے یعنی جہاں پر بھی اطاعت کرنا ہو وہاں عصمت ضروری ہو۔ ہر عاقل یہ درک کرسکتا ہے کہ اگر اس قسم کا کوئی ملازمہ ثابت ہو جائے تو نظام زندگی میں خلل پڑھ جائے گا اور معاشرہ میں حرج و مرج لازم آئے گا۔

اگر عاقل افراد کی زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ موارد اور مواقع میں اطاعت کو ضروری قرار دیتے ہیں اگر چہ حکم دینے والا معصوم نہ بھی ہو مثلا اگر جنگ میں جنرل اپنے فوجیوں کو کوئی حکم دے اور فوجی اس خیال کے ساتھ کہ جنرل کا حکم خطا پر مشتمل بھی ہوسکتا ہے اور حکم کی پیروی نہ کریں تو کیا اس جنگ کا نتیجہ مثبت نکلے گا اور کیا وہ فتح حاصل کرسکیں گے؟ کونسی چیز ان کو شکست سے بچائے گی؟ پس اتباع اور پیروی نہ کرنے کی صورت میں نقصان کا ہونا ظاہر اور واضح ہے جبکہ پیروی کرنے کی صورت میں ممکنہ احتمالی خطا کی وجہ سے جو نقصان پیش آسکتا ہے اس کا نقصان واضح اور آشکار نہیں ہے یعنی پیروی نہ کرنے کی صورت میں نقصان اٹھانا یقینی ہے جبکہ پیروی کرنے کی صورت میں نقصان اٹھانا یقینی نہیں ہے پس یہ دونوں کس طرح ایک دوسرے پر قیاس کے قابل ہوسکتے ہیں۔

اسی طرح جب کوئی مریض اس مرض کے ماہر کسی ڈاکٹر کی طرف رجوع کرے، اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ شاید ڈاکٹر مرض کی تشخیص میں اشتباہ کرے، اس کے باوجود یہ احتمال مریض کو ڈاکٹر کے پاس جانے سے روکنے کا سبب نہیں بنتا۔

ان مثالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عاقل افراد کی روش اور عادت یہ ہے کہ وہ کسی عمل کو انجام دیتے وقت ضعیف احتمالات وممکنات کی پرواہ نہیں کرتے۔ جب ہم فقیہ ومرجع جامع الشرائط کی خصوصیات کی طرف نگاہ کریں اور ائمہ معصومینؑ نے مرجعیت اور امام زمانہؑ کی نیابت کے لئے جو سخت شرائط بیان کی ہیں ان کی طرف توجہ کریں تو احتمال خطا اور اشتباہ بہت کم ہوجاتا ہے، اب ان سخت شرائط کے باوجود معقول اور مناسب نہیں ہے کہ خطا کے احتمال کی وجہ سے ان کے بیان کردہ فتاویٰ کی مخالفت

کریں اور ان کے مطابق عمل نہ کریں۔

ثانیاً یہ کہ شرعی نقطہ نگاہ سے بھی ائمہ معصومینؑ کی سیرت میں بہت سارے ایسے موارد ملتے ہیں جہاں معصومینؑ نے کچھ افراد کو مختلف امور کے لئے معین فرمایا جبکہ وہ معصوم نہ تھے اور لوگوں سے ان کی اطاعت کا مطالبہ کیا ہے۔

نمونہ کے طور پر امیر المومنینؑ نے جب مالک اشتر کو مصر کا گورنر بنایا اس وقت مصر کے لوگوں کے نام ایک خط لکھا اور مصر کے لوگوں کو مالک اشتر کی اطاعت کا حکم دیا۔ اب آپ خود بتائیں کیا مالک اشتر معصوم تھے؟ اور کیا آج فقیہ کی اطاعت و پیروی کر کے (جو ائمہ معصومین اور امام زمانہ کے حکم کے مطابق ہے) کوئی خلاف شرع کام انجام دیا ہے؟۔ ہرگز نہیں، جس طرح اس زمانے میں ائمہ معصومینؑ متدین، دیندار اور صالح افراد کو اپنا نائب معین کر کے مومنین کو ان کی اطاعت اور پیروی کا حکم دیتے تھے اسی طرح آج بھی متدین اور صالح افراد یعنی مجتہدین کو اپنا نائب معین کرنے کے بعد ہمیں ان کی اطاعت اور پیروی کا حکم دیا ہے۔

اگر ہم فقیہ کی اطاعت نہ کریں اور قیامت کے دن امیر المومنینؑ اپنے اسی جملے کو ہمارے خلاف دلیل کے طور پر پیش کریں تو ہمارے پاس کیا جواب ہوگا؟۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ بَعَثْتُ اِلَیْکُمْ عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَا یَنَامُ اَیَّامَ الْخَوْفِ وَلَا یَنْکُلُ عَنِ الْاَعْدَاءِ سَاعَاتِ الرَّوْعِ اَشَدَّ عَلَی الْفُجَّارِ مِنْ حَرِیْقِ النَّارِ وَھُوَ مَالِکُ ابْنُ الْحَارِثِ اَخُوْ مَذْحِجٍ فَاسْمَعُوْا لَہُ وَاَطِیْعُوْا اَمْرَہُ فِیْمَا طَابَقَ الْحَقَّ فَاِنَّہُ سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ، خدا کی حمد و ثنا کے بعد، میں تمہاری طرف بندگان خدا میں سے ایک ایسا بندہ بھیج رہا ہوں جو وحشت اور خوف کے ایام میں سوتا نہیں ہے، دشمن سے

خوف کے وقت منہ نہیں موڑتا، بدکار لوگوں کے لئے آگ کے شعلہ سے زیادہ تندتر ہے اور وہ مالک ابن حارث مذحجی ہے۔ جب وہ حق کے ساتھ گفتگو کرے تو اس کی اطاعت کرو کیونکہ وہ خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔(۱) امیر المومنینؑ کے اس خط میں جو لفظ ''اطیعوا'' استعمال ہوا ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے اور حقیقت واضح اور آشکار ہے۔

ثالثاً یہ کہ اس قسم کا اعتراض تو زندگی کے ہر شعبہ میں کیا جا سکتا ہے جب ہمیں کسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے تو ہم اس کے ماہر کی طرف رجوع کرتے ہیں جبکہ وہاں بھی خطا کا امکان ہوتا ہے۔ جب کہ فقیہ کے حوالے سے تو ہم بہت ہی احتیاط برتتے ہیں، ان کے اندر بہت ساری شرائط موجود ہونی چاہیں جنہیں معصومؑ نے بیان کی ہیں۔ ائمہ معصومینؑ کی بیان کردہ شرائط کی موجودگی میں دوسرے ماہرین کی نسبت فقیہ کے لئے خطا کا امکان بہت ہی کم ہوتا ہے۔ ایسی صورتحال میں شرع کے علاوہ عقل بھی یہ حکم دیتی ہے کہ معصومینؑ کے کسی اعتماد و اطمینان کے لائق اور بھروسے کے قابل شخص کی ہی پیروی کرنی چاہیے۔

امام زمانہؑ کی نظر کرم فقہاء پر ہوتی ہے، جب فقہاء سے کوئی غلطی سرزد ہو رہی ہو تو امام زمانہؑ اس کی اصلاح کر دیتے ہیں اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں، ان میں سے ایک اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے: شیخ مفید معلم الامۃ کے پاس ایک دیہاتی شخص نے آکر پوچھا کہ ایک عورت کا انتقال ہوا ہے جبکہ اس کے پیٹ میں ایک زندہ بچہ ہے، عورت کا پیٹ پھاڑ کر بچہ نکالنے کے بعد دفن کریں یا بچہ پیٹ سے نکالے بغیر دفن کریں؟ شیخ مفیدؒ نے فرمایا: بچہ نکالے بغیر دفن کر دو۔ وہ شخص چلا گیا تھوڑی دور پہنچا تو دیکھا کہ ایک سوار آرہا ہے اور سوار اس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ شیخ نے کہا ہے پیٹ

.....

۱۔ نہج البلاغہ ص ۴۱۰

پھاڑ کر بچہ نکالنے کے بعد عورت کو دفن کرو۔ چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ کچھ عرصے بعد شیخ مفیدؒ سے واقعہ نقل کیا گیا تو شیخ مفیدؒ نے فرمایا کہ میں نے کسی کو نہیں بھیجا تھا، یہ یقینی ہے کہ وہ صاحب الزمانؑ تھے ہم سے احکام بیان کرنے میں خطا ہوئی اور انہوں نے اس کی اصلاح فرمائی لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آج کے بعد فتوی دینا بند کر دیں۔ شیخ نے اس کے بعد فتوی دینا بند کر دیا لیکن امام زمانہؑ کی جانب سے خط ملا کہ: تم پر فتوی دینا لازم ہے اور یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم تمہیں خطا میں پڑنے نہ دیں۔(۱)

تقلید سے متعلق امامؑ کی حدیث میں بھی موجود ہے کہ فَاِنَّهُمْ حُجَّتِیْ عَلَیْکُمْ وَاَنَا حُجَّةُ اللهِ عَلَیْهِمْ، وہ تم پر میری طرف سے حجت ہیں اور میں خدا کی جانب سے ان پر حجت ہوں۔(۲) جب علماء اور فقہاء پر امام زمانہؑ حجت ہیں تو پھر ہمیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم آنکھیں بند کر کے ان کی تقلید کرتے رہیں بلکہ ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم دیکھیں کہ اس فقیہ کے اندر معصومؑ کی ذکر کردہ شرائط موجود ہیں یا نہیں، اگر شرائط موجود ہیں تو تقلید کریں اور اگر موجود نہیں ہیں تو اس کی تقلید نہ کریں بلکہ ایک ایسے مجتہد کی تقلید کریں جس کے اندر ساری شرائط موجود ہوں۔ پس مرجع خود تو معصوم نہیں ہے لیکن اسے معصوم کی حمایت حاصل ہے اور وہ معصوم کی نگرانی و رہنمائی میں کام کرتا ہے۔ مخالفین حقیقت میں معصومینؑ پر اعتراض کر رہے ہیں کیونکہ علماء کو قرآن اور ائمہ معصومینؑ کی سنت سے استنباط کر کے فتوی دینے کا حق معصومینؑ نے دیا ہے اور اعتراض کرنے والے غیر شعوری طور پر معصومینؑ پر اعتراض کر رہے ہیں۔

.....

۱۔ عنایات حضرت مہدیؑ بہ علماء و طلاب ص ۳۷ ۲۔ احتجاج طبرسی ج ۲ ص ۴۶۹

چوتھا اعتراض:

ہم خود قرآن وحدیث پڑھ سکتے ہیں تو مجتہد کی کیا ضرورت ہے؟۔

جواب:

قرآن وحدیث کو صرف پڑھنا کافی نہیں ہے بلکہ اس سے احکام شرعی کو استنباط کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے اور قرآن واحادیث معصومینؑ سے احکام الٰہی کو استنباط کرنے کے لئے مختلف علوم جیسے صرف، نحو، منطق، معانی، بیان، بدیع، اصول، فلسفہ، کلام اور رجال وغیرہ پر مکمل عبور حاصل ہونا چاہیے تا کہ معصومینؑ کی روایات کی روشنی میں قرآنی آیات کے ناسخ کو منسوخ سے، محکم کو متشابہ سے، خاص کو عام سے اور مجمل کو مبین ومفصّل سے جدا کیا جا سکے۔ سند اور دلالت کے لحاظ احادیث کی سے بہت ساری اقسام ہیں ان میں سے معتبر احادیث کو غیر معتبر سے جدا کرنا کسی عام آدمی کا کام نہیں ہے۔ اگر صرف عربی کی عبارت سمجھنے کی حد تک بات ہوتی اور اسی پر عمل کرنا ہوتا تو یہ کوئی مشکل بات نہ تھی بلکہ اگر ہمیں کوئی مشکل پیش آتی اور ہم کسی عرب بازاری سے بھی پوچھ لیتے تو ترجمہ کی مشکل حل ہوجاتی لیکن مسئلہ اتنا آسان نہیں جتنا سوچا جارہا ہے بلکہ ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھ کر احکام شرعی کو آیات قرآن اور احادیث معصومینؑ سے استنباط کرنا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے لہٰذا مجتہد اور فقیہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، ہاں اگر کسی میں بیان کردہ خصوصیات اور مجتہد کے لئے معصومینؑ کی جانب سے بیان کردہ شرائط موجود ہوں تو وہ خود مجتہد ہے اسے پھر کسی دوسرے مجتہد کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر ہماری بحث تو ایک عام

آدمی کے بارے میں ہے جس کے اندر اتنی صلاحیت موجود نہیں، جو ایک مجتہد کے اندر ہونی چاہیے لہٰذا ایسے آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی مجتہد کی تقلید کرے۔

ان کی اس تجویز کو اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیں تو ایک طرف ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان اور بھارت میں 75% عوام لکھنے پڑھنے سے معذور ہیں اور انہوں نے کبھی قرآن نہیں پڑھا۔ شاید 10% ایسے لوگ ہوں جنہوں نے مکمل طور پر ایک دفعہ قرآن پڑھا ہو لیکن ایسے لوگوں کی تعداد 1% سے زائد نہ ہوگی جنہوں نے قرآن کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی مکمل طور پر پڑھ لیا ہو اور اگر ایسے لوگوں کی تعداد دیکھیں جنہوں نے قرآن کے ترجمے کے ساتھ تفسیر کا درس بھی حاصل کیا ہو تو وہ آٹے میں نمک کے برابر ہوں گے۔ اگر ہم عربی سمجھنے والے افراد کی طرف نظر کریں تو ان کی تعداد میں نمایاں کمی واقع ہوگی جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ احکامِ الٰہی جن کتابوں سے اخذ کئے جاتے ہیں وہ عربی میں ہیں، ایسی صورتحال میں اگر استنباط کرنے کی ذمہ داری عوام خصوصاً ملنگ طبقے کے ہاتھ میں آجائے جن کا معیارِ تعلیم دوسروں کی نسبت کہیں زیادہ پست ہے تو احکامِ الٰہی کے ساتھ جو ہولناک مذاق ہوگا اس کے بارے میں تو سوچ کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پانچواں اعتراض:

قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے جبکہ تقلید میں ساری ذمہ داری مجتہد کی ہوتی ہے، پس قرآن وحدیث کی رو سے اجتہاد درست نہیں ہے۔

جواب:

جب آیات قرآنی اور روایات سے ثابت ہو چکا کہ خود امامؑ نے تقلید کا حکم دیا ہے تو اب مجتہدین کی پیروی حقیقت میں خود امامؑ کی پیروی شمار ہوگی کیونکہ اگر کوئی شخص کسی کا نمائندہ اور سفیر بن کر آتا ہے تو اس کی باتیں شخصی شمار نہیں ہوتیں بلکہ اس کی باتیں اس کی شمار ہوں گی جس نے اسے اپنا نمائندہ اور سفیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ مجتہد اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا یعنی قرآن وحدیث کے مقابلے میں اپنی ذاتی سوچ سے کوئی رائے نہیں دیتا بلکہ جو احکام شرعی بیان کرتا ہے قرآن وسنت سے ہی بیان کرتا ہے۔

پس جب مقلد کا عمل مجتہد کے فتوی کے مطابق ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مقلد کا عمل قرآن وسنت کے مطابق ہے یعنی مقلد کے عمل کی ذمہ داری مجتہد پر بلاواسطہ اور قرآن وحدیث پر بالواسطہ ہوتی ہے۔

ہاں اگر مجتہد قرآن وسنت سے فتوی اخذ نہ کرتا ہو اور اپنے ذاتی تعقل کو دین میں جاری کر دیتا ہو تو پھر اس پر یہ ذمہ داری ڈالنا عقلاً بھی صحیح نہ ہوگا اور شرعاً بھی، کیونکہ دین اسلام کے احکام میں شخصی نظریات کو کوئی اہمیت وحیثیت حاصل نہیں ہے لیکن مجتہد اپنی پوری توانائی اور صلاحیتوں کو استعمال کر کے یہ فتوی قرآن وحدیث سے اخذ کرتا ہے، اس میں اگر وہ غلطی پر بھی ہو (کیونکہ بہر حال وہ معصوم نہیں ہوتا) تب بھی روایات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں بھی اس کے لئے ایک اجر وثواب عطا کیا جائے گا کیونکہ اس نے سچی نیت کے ساتھ حکم شرعی کو حاصل کرنے کے لئے قرآن وسنت میں تحقیق واستنباط کے لئے کافی محنت اور جستجو کی ہے اور جس مجتہد کا حکم واقع اور

لوح محفوظ کے مطابق ہو اس کے لئے دو اجر عطا کئے جائیں گے، ایک اجر اس لئے کہ اس نے حکم شرعی کے استنباط کے لئے کافی زحمتیں برداشت کی ہیں اور دوسرا اجر اس لئے کیونکہ قرآن وسنت سے اس کا استنباط کردہ حکم، واقع اور لوح محفوظ کے مطابق نکلا ہے، جیسا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَاجْتَھَدَ، ثُمَّ اَصَابَ فَلَہُ اَجْرَانِ وَاِذَا حَکَمَ اِجْتَھَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَہُ اَجْرٌ، یعنی اگر کوئی مجتہد حکم دینے میں صحیح اجتہاد کرے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر اس نے اجتہاد میں غلطی کی تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔(۱)

پس یہاں سے اس اشکال اور اعتراض کی حقیقت سامنے آتی ہے کہ عملِ تقلید دراصل اپنے اعمال کی ساری ذمہ داری مجتہد پر ڈالنا نہیں بلکہ اس کی بازگشت حقیقت میں ہدایت کے مینار قرآن وسنت ہی کی طرف ہے۔ اور مجتہد صرف اپنے علم کے سہارے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر حکمِ الٰہی کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

چھٹا اعتراض:

کیا تقلید انسان کی آزادی کو سلب نہیں کرتی؟۔

جواب:

اولاً یہ کہ مسلمان کو آزادی حاصل ہے کہ وہ تقلید کو اختیار کرے یا اجتہاد کو اختیار کرے، جیسا کہ آیۃ اللہ مشکینیؒ اپنی کتاب مصطلحات الفقہ میں فرماتے

.....

۱۔ الطرائف ج ۱ ص ۱۹۲

ہیں: فَالتَّقْلِیْدُ اَحَدُ الطُّرُقِ التَّخْیِیْرِیَّۃِ عِنْدَ الْعَقْلِ، پس تقلید عقل کے نزدیک دو اختیاری راستوں میں سے ایک راستہ ہے۔(۱) جس طرح مکلف اجتہاد کو اختیار کر سکتا ہے اسی طرح تقلید کو بھی اختیار کر سکتا ہے یعنی انسان کو ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی آزادی ہوتی ہے۔

ثانیاً یہ کہ راہ تقلید کو انتخاب کرنے کے بعد بھی مکلف کو مرجع اور امور دین میں ماہر کے انتخاب میں بھی آزادی ہے، مکلف کے اختیار میں ہے جامع الشرائط مجتہدین میں سے کسی ایک کا آزادانہ انتخاب کرے، مکلف اور مقلد کے لئے انتخاب کی راہ پر کوئی حد بندی اور جبر نہیں ہے، اس کے علاوہ جب مکلف ایک مرجع کا انتخاب کرتا ہے تو اسے بعض صورتوں میں دوسرے مجتہد کے فتوی کی طرف رجوع کرنے میں آزادی حاصل ہے مثلا اس کے مجتہد نے مسئلہ شرعی کا حکم واضح طور پر بیان نہیں کیا ہے بلکہ احتیاط واجب یا احتیاط لازم کا عنوان بھی ساتھ رکھا ہے تو اسے اختیار ہے کہ اسی مسئلہ میں کسی دوسرے مجتہد کی تقلید کرے جس نے اس مسئلہ کا حکم شرعی واضح طور پر بیان کیا ہے۔

سب سے مہم یہ کہ تقلید اور مجتہد کی پیروی کے لئے ایک حد معین ہے، شارع مقدس نے ہم سے یہ مطالبہ نہیں کیا ہے کہ آنکھیں اور کان بند کر کے مجتہد کی تقلید کریں، جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے اسلام اندھی تقلید کو بالکل پسند نہیں کرتا بلکہ اسلام کہتا ہے کہ اپنے کان اور آنکھیں کھول کر رکھو، ہر طرف نظر رکھو اور کبھی بھی آنکھیں بند کر کے

.....

۱۔ مصطلحات الفقہ ص ۱۵۷

کسی کی تقلید مت کیا کرو۔ اس حوالے سے پہلے شہید مطہریؒ کا بیان نقل کر چکے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرجع تقلید کی تلاش میں ہیں جس کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دے دیں۔ اسلام میں کسی کے ہاتھ میں باگ ڈور دینے کا حکم نہیں ہے۔ اسلام تو آنکھیں کھولنے اور آنکھیں کھلی رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ تقلید اگر کسی دوسرے کے ہاتھ میں باگ ڈور دینے کی شکل اختیار کرلے تو اس سے ہزاروں خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔(۱)

مقلد کو چاہیے کہ تقلید میں ہی کوشش و اجتہاد کرے یعنی مقلِّد شخص جبکہ وہ مقلِّد ہے، اپنے مرجع تقلید کے انتخاب میں اجتہاد اور بصیرت سے کام لے اور اس کا رجوع تقلیدی خود ایک اجتہاد اور بصیرت وشناخت پر مبنی ہونا چاہیے۔(۲)

پس تقلید کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے لہٰذا آنکھیں اور کان بند کر کے اطاعت کرے، اگر اس طرح ہوتا تو تقلید اور آزادی میں تضاد ہوتا اور تقلید انسان کی آزادی کو سلب کرتی لیکن احکام اسلام اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیتے۔ اصولاً لوگوں کی اطاعت کی اس حد تک اجازت دی گئی ہے کہ اس سے مخالفت الٰہی لازم نہ آئے جیسا کہ والدین کی اطاعت کے بارے میں بھی یہی شرائط ہیں، قرآن مجید میں خدا ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ، اور اگر تیرے ماں باپ تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرا شریک ایسی چیز کو قرار دے جس کا

.....

۱۔ سخن ص ۱۰۹ ۲۔ تقلید چرا ص ۱۵۶

تجھے کچھ علم بھی نہیں تو تم اس میں ان کی اطاعت نہ کرنا۔(۱)

شارع مقدس نے مجتہد اور فقیہ کے لئے اتنی سخت شرائط اسی لئے رکھی ہیں تا کہ وہ حکم خدا اور دین خدا کی مخالفت میں ایک کلمہ بھی نہ کہے اگر ایسا کرے تو فوراً اس کا مقام ختم ہو جائے گا۔ پس تقلید کی بھی کوئی حد اور انتہاء ہے لہٰذا شارع کبھی بھی ہمیں تعبد محض اور آنکھ بند کر کے اطاعت کا حکم نہیں دے گا۔

اس حوالے سے چند احادیث پیش خدمت ہیں:

۱۔رسول خداؐ فرماتے ہیں: اَیُّمَا اَمِیْرٌ اَمَرْتُهُ عَلَیْکُمْ فَأَمَرَکُمْ بِغَیْرِ طَاعَةِ اللّٰهِ فَلَا تُطِیْعُوْهُ فَاِنَّهُ لَا طَاعَةَ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ، جو شخص کو میں تمہارا امیر مقرر کروں اگر وہ کسی چیز کا حکم کرے جو خدا کے حکم کے مخالف ہو تو اس کی اطاعت نہ کرو، جہاں خدا کی معصیت ہو رہی ہے وہاں کوئی اطاعت لاگو نہیں ہوتی۔(۲)

۲۔امام باقرؑ فرماتے ہیں: لَا دِیْنَ لِمَنْ دَانَ بِطَاعَةِ مَنْ عَصَی اللّٰهَ، اس شخص کا کوئی دین نہیں جو ایسے شخص کی اطاعت کرنے کو دین سمجھتا ہے جو معصیت الٰہی انجام دیتا ہے۔(۳)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت اور پیروی مشروط ہے اور تقلید بھی اطاعت اور پیروی کی ایک قسم ہے لہٰذا اس حکم سے یہ بھی خارج نہیں ہے، پس تقلید کرنا انسان کی آزادی کو سلب کرنا شمار نہیں ہوتا۔

.....

۱۔لقمان ۱۵ ۲۔ولایت فقیہ ڈاکٹر حبیب اللہ طاہری ص ۱۵۵

۳۔اصول کافی ج ۲ ص ۳۷۳

ساتواں اعتراض:

امام معصومؑ کی موجودگی میں ہم کسی غیر معصوم کی تقلید کیوں کریں؟۔

جواب:

ہم فقیہ کی تقلید کی بات اس لئے کرتے ہیں کیونکہ انسان کو پیش آنے والے مسائل لامحدود ہیں، اگر معصومؑ کا دور ہوتا تو ہم ان سے ہی اپنے مسائل کا حل دریافت کر لیتے، لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اس سعادت سے محروم ہیں۔ یہ اعتراض کرنے والے کیا اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ جب انہیں کوئی مشکل پیش آئے تو امام زمانہؑ سے اپنی مشکل کا حل دریافت کر سکیں، ہرگز نہیں۔ تو کیا صرف اتنا عقیدہ رکھنے سے کہ ''امام معصومؑ کی موجودگی میں کسی غیر معصوم (مجتہد) کی تقلید نہیں کرتے'' ان کی مشکل حل ہو جائے گی۔ یہ عقیدہ سیدھے سادے لوگوں کو دھوکہ دینے اور دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

تقلید کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا حکم شرعی معلوم کرنے کے بعد عبادات و معاملات کو شریعت مقدسہ کے احکام کے مطابق انجام دیں، اس مشکل کو وہی صاحب علم حل کر سکتا ہے جو یا تو خود فقیہ ہو اور اسلام کے احکام کو قرآن و سنت کی روشنی میں سمجھ سکتا ہو اور مسائل جدیدہ کے پیش آنے پر ائمہ معصومینؑ کے بیان کردہ کلیات پر مشتمل اقوال سے اپنے مسائل جدیدہ کا حل تلاش کر سکتا ہو یا کسی صاحب علم و استعداد کی تقلید کر کے حل کر سکتا ہے لہٰذا وہ لوگ جن کے اندر یہ استعداد نہیں ہے کہ وہ خود استنباط کر کے اپنے مسائل کا حل نکالیں انہیں کسی ایسے مجتہد کی طرف رجوع

کرنا چاہیے جو ہم سے زیادہ جانتا ہو، تا کہ ہم اطمینان کے ساتھ اپنے اعمال کو انجام دے سکیں۔ تقلید کوئی عقیدہ نہیں بلکہ ایک طریقۂ عمل ہے اور یہ طریقۂ عمل ہر اس مقام پر لاگو ہوتا ہے جہاں انسان کو مسائل پیش آتے ہوں لیکن ان کے پاس ان مسائل کا حل موجود نہ ہو۔

دوسری بات یہ کہ تقلید سے مراد یہ ہے کہ احکام شرعی کو اس کے اصلی مصدر یعنی قرآن وسنت سے اخذ کرنے والے فقیہ کی طرف رجوع کرنا۔ فقیہ احکامات شرعی کو اپنی طرف سے یا اپنی رائے کے مطابق بیان نہیں کرتا بلکہ قرآنی آیات اور معصومینؑ کی روایات کی روشنی میں بیان کرتا ہے لہٰذا درحقیقت فقیہ کی تقلید کرنا خود معصومؑ کی تقلید کرنا ہے۔

آٹھواں اعتراض:

حدیث میں راوی حدیث کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے اور حدیث کے راوی اور فقیہ میں فرق ہے؟۔

جواب:

اس اعتراض پر اگر غور کیا جائے تو اس کے بے اہمیت ہونے کا اندازہ ہو جاتا ہے، راوی حدیث وہ ہوتا ہے جو حدیث کو معصومؑ سے نقل کرے، لیکن وہ اس بات کا خیال نہیں رکھتا کہ یہ حدیث واقعاً معصومؑ کی ہے یا نہیں، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک ہی موضوع پر کئی مختلف احادیث موجود ہوتی ہیں، راوی اس حدیث کو نقل کر دیتا ہے جس کی نسبت معصومینؑ میں سے کسی ایک کی طرف ہوتی ہے۔ اس بات کی طرف پہلے اشارہ ہو گیا کہ رسول خداؐ کے زمانے میں ہی لوگوں نے آپ کی طرف ان کہی باتوں کی

نسبت دینا شروع کر دی تھی، یہاں تک کہ آپؑ کو منبر سے اعلان کرنا پڑا، اسی طرح بہت سے لوگ تو ایسے بھی رہے ہیں جن کا کام ہی مذہب کے اندر غلط چیزوں کو شامل کرنا تھا۔ لہٰذا ان تمام باتوں کی موجودگی میں کسی حدیث کو ٹٹولے بغیر اس پر عمل نہیں کر سکتے۔

مجتہد اور فقیہ بھی معصومینؑ کی احادیث کو ہی نقل کرتا ہے لیکن پہلے مختلف علوم کے ذریعے یہ دیکھتا ہے کہ کونسی حدیث امام معصومؑ کی ہے اور کونسی جعلی، پھر امام معصومؑ کی حدیث سے ہی لوگوں کے لئے حکم شرعی کو بیان کرتا ہے۔ لہٰذا فقیہ بھی راوی احادیث ہے بلکہ عام راوی یہ دیکھے بغیر نقل کرتا ہے کہ یہ حدیث واقعاً معصومؑ کی ہے یا نہیں جبکہ فقیہ جانچ پڑتال کرنے کے بعد نقل کرتا ہے اور قابل اطمینان راستہ بھی یہی ہے کہ تحقیق کے بعد نقل کیا جائے۔ پس علمی اصطلاح کے مطابق فقیہ اور راوی کے درمیان عموم وخصوص کی نسبت ہے اگر بالفرض صرف راویت کرنے والے کی تقلید کرنا جائز ہے تو فقیہ کی تقلید تو بطریق اولیٰ جائز ہے۔

نواں اعتراض:

ائمہ معصومینؑ کے زمانے میں اجتہاد و مرجعیت کا لفظ نہیں ملتا لہٰذا یہ بعد کی ایجاد ہے اور غیر شرعی ہے۔

جواب:

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ لفظ اجتہاد ایک دور میں قرآن وحدیث میں حکم شرعی نہ ملنے کی صورت میں اپنی رائے اور قیاس سے حکم شرعی بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا لیکن اس لفظ کے معنی میں تبدیلی واقع ہوئی۔ اس لفظ نے اپنے پرانے

معنی میں استعمال ہونا ترک کر دیا بلکہ ایک جدید معنی میں استعمال ہونے لگا اور وہ جدید معنی و مطلب یہ تھا کہ احکام شرعیہ کو حاصل کرنے کے لئے علمی مجاہدہ کرنا۔ اس معنوی تغیر اور انقلاب کے بعد اس لفظ نے فقہ شیعہ میں اپنی راہ پیدا کر لی کیونکہ شیعہ اجتہاد اور رائے کے مخالف تھے، علمی مجاہدہ کے نہیں اور ایسا کوئی تعصب بھی نہیں تھا کہ اگر ایک لفظ کسی زمانے میں غلط مفہوم رکھتا تھا تو مفہوم بدل جانے کے بعد بھی قابل استعمال نہ ہو اور اس سے نفرت کی جائے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ کچھ لوگ لفظی اختلاف کو بنیاد بنا کر لوگوں میں شبہات پیدا کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان کے اعتراض میں کتنا وزن ہے۔ اصولاً ہمیں الفاظ کی بحث نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس بات پر نظر ہونی چاہیے کہ اجتہادی عمل (قرآن وحدیث سے احکام شرعی استنباط کرنا) کب سے رائج ہے۔ ہم نے بہت ساری احادیث کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ عمل رسولخداؐ اور باقی معصومینؑ کے دور سے ہی جاری ہے اور کوئی جدید عمل نہیں ہے۔

دسواں اعتراض:

مجتہدین چاہتے ہیں کہ مقلدین کی طاقت ان کے ہاتھ میں رہے اور مال (خمس) کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ مجتہدین مال کے حریص ہیں۔ اس سلسلے میں ایک روایت بھی ہے، امام جعفر صادقؑ نے سفیان بن خالد سے فرمایا: اِیَّاکَ وَالرِّئَاسَةَ فَمَا طَلَبَهَا اَحَدٌ اِلَّا هَلَكَ فَقُلْتُ قَدْ هَلَكْنَا اِذًا لَيْسَ اَحَدٌ مِنَّا اِلَّا وَهُوَ يُحِبُّ اَنْ يُذْكَرَ وَيُقْصَدَ وَيُؤْخَذُ عَنْهُ، ریاست سے بچ کر رہو کیونکہ جو بھی ریاست وجاہ طلبی کے پیچھے پڑا وہ ہلاک ہوا۔ میں نے کہا: پھر تو ہم سب ہلاکت میں ہیں کیونکہ ہم

میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگوں میں اس کا نام لیا جائے اور لوگ آ کر اس سے علم حاصل کریں (یعنی اس کی تقلید کریں)۔(۱)

جواب:

اولا یہ کہ اس روایت کو آدھا نقل کیا گیا ہے تا کہ اس سے اپنے مطلب کی بات نکال سکیں کیونکہ امام صادقؑ نے اس کے بعد فرمایا ہے: فَقَالَ لَيْسَ حَيْثُ تَذْهَبُ إِنَّمَا ذَالِكَ أَنْ تَنْصِبَ رَجُلًا دُوْنَ الْحُجَّةِ فَتُصَدِّقَهُ فِيْ كُلِّ مَا قَالَ وَتَدْعُوَ النَّاسَ إِلَى قَوْلِهِ، میرا مقصد یہ نہیں جو تو سمجھا ہے بلکہ اس مذمت سے میرا مقصد یہ ہے کہ تو کسی معصومؑ کی تائید کے بغیر کسی آدمی کو معین کر کے ہر موضوع میں اس کی بات کی تصدیق کرے اور لوگوں کو اس کی بات ماننے کی طرف دعوت دے۔

ثانیاً یہ کہ امام صادقؑ نے فرمایا ہے کہ لوگ اپنی طرف سے کسی کو مقام فتوی اور قاضی کے لئے معین نہیں کر سکتے، لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے بلکہ لوگوں کے لئے مجتہد اور قاضی کا معین کرنا امام معصومؑ کا کام ہے اور خود امامؑ نے مجتہدین اور فقہاء کے فتوی کو معتبر قرار دیا ہے جیسا کہ روایات میں بیان کیا گیا ہے:

(۱) يَا أَبَانُ ..... وَاجْلِسْ فِيْ مَسْجِدِ الْمَدِيْنَةِ وَأَفْتِ النَّاسَ، اے ابان لوگوں کو فتوی دو۔

(۲) فَلِلْعَوَامِ أَنْ يُقَلِّدُوْهُ ..... لوگوں پر لازم ہے کہ وہ ان کی تقلید کریں۔

(۳) اَلْعُلَمَاءُ حُكَّامٌ عَلَى النَّاسِ، علماء لوگوں پر حاکم ہیں۔

پس عوام کا مجتہد اور فقیہ کی تقلید کرنا امامؑ کے حکم کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ عوام

.....

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۲۷ ص ۱۲۹، مستدرک الوسائل ج ۱۱ ص ۳۸۱

نے اپنی طرف سے کسی غیر مجتہد کو نصب اور معین کیا ہے۔

ثالثاً یہ کہ امامؑ کا یہ جملہ اِنَّمَا ذَالِكَ اَنْ تَنْصِبَ رَجُلًا دُوْنَ الْحُجَّةِ، یہاں پر حجت سے مراد وہ شخص ہے جس کا قول شرعاً نافذ ہو، پس اس بنا پر مجتہد ہی حجت ہے لیکن امامؑ خدا کی طرف سے ہم پر حجت ہے اور فقہاء امامؑ کی طرف سے ہم پر حجت ہیں جیسا کہ آپؑ نے فرمایا: فَاِنَّهُمْ حُجَّتِیْ عَلَیْكُمْ وَاَنَا حُجَّةُ اللهِ عَلَیْهِمْ، وہ تم پر میری طرف سے حجت ہیں اور میں خدا کی جانب سے ان پر حجت ہوں۔ اگر مجتہدین کی پیروی پر احادیث ائمہ معصومینؑ نہ ہوتیں اور ہم اپنی طرف سے ان کی پیروی شروع کر دیتے تو یہ حرام ہوتا۔

گیارہواں اعتراض:

جس قرآنی آیت سے اجتہاد اور تقلید پر استدلال کرتے ہیں اس میں اہل الذکر سے مراد اہل بیتؑ ہیں، اس کا مصداق مجتہدین نہیں ہیں۔

جواب:

قرآنی آیات میں صرف ایک ہی جنبہ، زاویہ اور جہت نہیں ہوتی جو صرف ایک ہی چیز کو بیان کرے، قرآن قیامت تک کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے اس کی آیات کو ایک زمانے کے ساتھ مخصوص کرنا مناسب نہیں ہے، نزول قرآن کے وقت آیات قرآنی کے مصادیق مختلف ہوا کرتے تھے، یعنی کچھ آیات ایسی بھی ہیں جو اس وقت کے کسی واقعہ کی مناسبت سے نازل ہوئی ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آج ہم ان آیات سے پیغام قرآن نہیں لے سکتے، آیات قرآنی کا مفہوم آفاقی ہوتا ہے، یہ

آیات ہمیشہ کے لئے چراغ ہدایت ہیں اور انسانیت کو ہمیشہ راہ حق وصداقت کی نشاندہی کرتی رہتی ہیں۔اگر ہم نے اس قرآنی آیت کو جو کسی خاص واقعہ کی مناسبت سے نازل ہوئی ہے، صرف اسی زمانے کے ساتھ مختص کر دیا تو یہ قرآن کے ساتھ ناانصافی ہوگی کیونکہ ہمارا دعوی یہ ہے کہ قرآن قیامت تک کے لئے ہے لیکن عملاً ہم اسے ایک خاص زمانے کے ساتھ مخصوص کررہے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک چھوٹی سی مثال پیش خدمت ہے: رسول اللہؐ کے زمانے میں ایک جوان آیا اور اس نے اپنے عظیم گناہ کا اقرار کیا کہ اس نے کفن چراتے ہوئے ایک مردہ لڑکی کے ساتھ بدفعلی کی ہے، رسول خداؐ نے اسے اپنی بارگاہ سے باہر نکال دیا، وہ بارگاہ رسالت سے نکلنے کے بعد بیابان کی طرف چلا گیا اور خدا سے التجا کرنے لگا کہ اے محمدؐ کے خدا! اگر تو میری توبہ قبول کرلے تو اپنے پیغمبرؐ کو اس کی اطلاع کردے۔ خدا نے اس کی توبہ قبول کی اور یہ آیت اپنے رسولؐ پر نازل کی: قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا، کہہ دے اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر ظلم واسراف کیا ہے خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا کیونکہ خدا سارے گناہوں کو بخش دے گا۔(۱) اس آیت کے شان نزول تمام تفاسیر میں اسی واقعہ کو بیان کیا گیا ہے لیکن کیا اس واقعہ کے بعد اس آیت کا حکم ختم ہوگیا؟، کیا اس واقعہ کے بعد گناہگاروں کو خدا کی رحمت سے مایوس ہوجانا چاہیے؟ نہیں، اس آیت کا حکم ہمیشہ کے لئے ہے، اگر آج بھی کوئی شخص گناہ کرے اور

.....

۱۔سورہ زمر آیت ۵۳

اپنے برے عمل سے پر پشیمان ہو تو اسے بھی خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

لہٰذا مذکورہ آیت میں بھی اہل الذکر سے حقیقی مصداق ائمہ اہل بیتؑ ہی ہیں لیکن یہ آیت ہر دور کے لئے ہے اور جب امام معصومؑ ظاہر نہیں ہوں گے تو ان ہی کے فرمان کے مطابق ہمیں فقہاء کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔اس حوالے سے کافی احادیث کا ذکر کیا جاچکا ہے جن میں معصومؑ نے فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔

بارہواں اعتراض:

اسلام عقلیات کا مذہب ہے، قرآن میں ہر جگہ تعقل اور تفکر کی دعوت دی گئی ہے تو مجتہد یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ عقل کو چھوڑ کر میری تقلید کرو؟۔

جواب:

یہ بات درست ہے کہ دین اسلام نے عقل کو بہت ہی اہمیت دی ہے اور یہی عقل ہے جس کے ذریعے ہم توحید، عدل، نبوت اور اسلام کی بنیادی چیزوں کو درک کرتے ہیں اور قرآن نے بھی ہمیشہ تعقل اور تفکر کی دعوت دی ہے لیکن عقل تمام احکامِ الٰہی کو درک نہیں کرسکتی اسی لئے انبیاء الٰہی کی ضرورت پڑی تاکہ وہ ان احکامات کی بھی تائید کریں جن کو عقل درک کرسکتی ہے اور ان احکامات الٰہی کو بھی بیان کریں جن کو عقل درک نہیں کرسکتی۔ ہم قیاس، استحسان اور ذاتی رائے کی اسی لئے تو مخالفت کرتے ہیں کیونکہ ان پر عمل کرنے والے ہر مقام پر اپنی عقل کے مطابق حکم دیتے ہیں۔

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں: اِنَّ دِیْنَ اللّٰہِ لَا یُصَابُ بِالْعُقُوْلِ، خدا کے

دین کو عقل کے ذریعہ سے درک نہیں کیا جا سکتا۔(۱)

ایک دن ابان ابن تغلب امام جعفر صادق ؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ یا ابن رسول اللہ ؐ! ایک عورت کی انگلی کاٹی جائے تو کتنا دیہ ہوگا؟ امامؑ نے فرمایا: دس اونٹ، پوچھا: اگر دو انگلیاں کاٹی جائیں تو کتنا دیہ ہوگا؟، آپؑ نے فرمایا: بیس اونٹ، ابان نے پھر سوال کیا: اگر تین انگلیاں کاٹی جائیں تو کتنا دیہ ہوگا؟، امامؑ نے فرمایا: تیس اونٹ، ابان نے دوبارہ سوال کیا کہ اگر چار انگلیاں کاٹی جائیں تو کتنا دیہ ہوگا؟، امامؑ نے جواب دیا: بیس اونٹ۔ابان نے تعجب سے پوچھا: یا ابن رسول اللہ ! تین انگلیاں کاٹی جائیں تو تیس اونٹ اور چار انگلیاں کاٹی جائیں تو بیس اونٹ دیہ ہوگا۔امامؑ نے چار انگلیوں میں بیس اور تین انگلیوں میں تیس اونٹ دیہ ہونے کی علت بیان کرنے کے بعد فرمایا: يَا اَبَانُ اِنَّكَ اَخَذْتَنِيْ بِالْقِيَاسِ وَ السُّنَّةُ اِذَا قِيْسَتْ مُحِقَ الدِّيْنُ، اے ابان! تم نے قیاس پر عمل کیا ہے اور اگر سنت میں قیاس کیا جائے تو دین تباہ ہو جاتا ہے۔(۲)

عقل تمام چیزوں کو درک نہیں کر سکتی لہٰذا صرف عقل پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

تیرہواں اعتراض:

امام زمانہؑ نے غیبت کبریٰ میں جاتے وقت تقلید کے لئے اپنا نائب خاص معین نہیں کیا۔کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ تقلید کا حکم اسلامی نہیں ہے؟۔

.....

۱۔کمال الدین ج ۱ ص ۳۲۴، بحار الانوار ج ۲ ص ۳۰۳

۲۔المحاسن ج ۱ ص ۲۱۴، اصول کافی ج ۷ ص ۲۹۹

جواب:

امام زمانہؑ کے لئے زمانے کے حاکموں نے اتنی مشکلات پیدا کر دی تھیں کہ امام معصومؑ کی جان بھی محفوظ نہیں تھی اسی لئے امام زمانہؑ اپنے چوتھے نائب کے بعد غیبت کبریٰ میں چلے گئے۔ زمانے کے حالات کو دیکھتے ہوئے امام زمانہؑ کی جان کی حفاظت کی خاطر امام حسن عسکریؑ نے بھی اقدامات کر لئے، اپنے وصیت نامے میں امام زمانہؑ کو اپنا وصی اور نائب مقرر نہیں کیا بلکہ آپؑ کی والدہ کو اپنا وصی مقرر کیا تا کہ اس کام کے ذریعے امام زمانہؑ کی حفاظت ہو سکے۔(۱)

امام زمانہؑ کی جان کو بادشاہ وقت کی جانب سے بہت زیادہ خطرہ لاحق تھا اس لئے آپؑ کی حفاظت کی خاطر کبھی کبھی امام حسن عسکریؑ ان کے بارے میں اپنے خاص اصحاب سے بھی تقیہ کرتے تھے تا کہ آپؑ کی حفاظت یقینی رہے۔(۲)

جب اس دور میں امام زمانہؑ کے ساتھ اتنی دشمنی پائی جاتی تھی اور آپؑ کے چوتھے نائب علی ابن محمد سمری کے بعد حالات اس حد تک خراب ہو گئے تھے کہ امام زمانہؑ کے لئے اپنا نائب معین کرنا مشکل ہو گیا تھا کیونکہ آپؑ کی طرح آپؑ کے نائبین کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا تھا اس لئے آپؑ نے کوئی نائب نہیں بنایا۔

امام زمانہؑ کا غیبت صغری میں تقلید کے لئے کسی کو نائب معین کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس وقت جو بھی مسائل پیش آتے تھے آپؑ کے نائب اس کا

.....

۱۔ اصول کافی ج ۱ باب مولد ابی محمد الحسنؑ ابن علیؑ ۲۔ بحار الانوار ج ۵۱ ص ۲۲

جواب دے دیتے تھے لیکن اگر کوئی مشکل مسئلہ ہوتا تو آپؑ کے نائب کے ذریعے امامؑ سے جواب حاصل کیا جا سکتا تھا۔ غیبت کبری کے بعد صرف تقلید کے لئے نائب یا عمومی امور کے لئے نائب معین کرنا ممکن نہیں تھا اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

اولاً حالات سخت خراب ہو چکے تھے اور امامؑ کا کسی کو معین کرنا اس بات کا سبب بن جاتا کہ اس کی جان محفوظ نہ رہے، کیونکہ جو لوگ آپؑ کے سخت دشمن تھے وہ آپ کے نائب کے بھی دشمن تھے۔

ثانیاً اگر آپ کسی کو معین کرتے تو ظاہر ہے آپ کو قیامت تک کے لئے اپنے نائب معین کرنا پڑتے اور یہ بہت ہی مشکل تھا۔ آپ نے نام لے کر کسی کو معین نہیں کیا بلکہ خصوصیات کے ذریعے اپنے نائبین کو معین کیا کیونکہ اس بلند مقام تک پہنچنا جھوٹے لوگوں کے لئے ممکن ہی نہیں کیونکہ اس کے لئے بہت سے علوم میں مہارت اور بلند کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔

ثالثاً اگر امامؑ کسی شخص کو یا کئی افراد کو یکے بعد دیگرے اپنا نائب معین کرتے تو جھوٹے نائبین کا پیدا ہونا یقینی تھا لہٰذا ایسی مشکلات کے سد باب کے لئے امامؑ نے خصوصیات کے ذریعے اپنا نائب معین کیا اور نام لیکر کسی کو معین نہیں کیا۔ امام زمانہؑ کی حدیث پہلے بھی بیان ہو چکی ہے: اَمَّا الْحَوَادِثُ الْوَاقِعَةُ فَارْجِعُوْا فِيْهَا اِلٰى رُوَاةِ اَحَادِيْثِنَا فَاِنَّهُمْ حُجَّتِيْ عَلَيْكُمْ وَ اَنَا حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ، جدید پیش آنے والے مسائل میں جو ہماری حدیثوں کو بیان کرتے ہیں ان کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ تم پر میری طرف سے حجت ہیں اور میں خدا کی جانب سے ان پر حجت ہوں۔ (۱)

.....

۱۔ احتجاج طبرسی ج ۲ ص ۴۶۹

چودھواں اعتراض:

فقہاء صرف فقہ واصول جانتے ہیں لیکن باقی مروّجہ علوم سے دور رہتے ہیں۔ سائنس کی اتنی ترقیوں سے قطع نظر وہ بس حوزہ علمیہ میں درس خارج اور طہارت ونجاست اور حلال وحرام کی تحقیق کرتے رہتے ہیں۔

جواب:

اسلام اس بات کی مخالفت نہیں کرتا کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں پیش آنے والے مسائل میں ان مسائل کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جائے مثلا اگر سائنس کا کوئی مسئلہ پیش آجائے تو سائنسدان کی طرف رجوع کیا جائے اور اگر صحت کے حوالے سے کوئی مسئلہ درپیش ہو تو ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا جائے بلکہ اسلام تو ہر شخص کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ اگر تم جاہل ہو تو دوسروں سے اپنے مسائل کا حل تلاش کرو اگر چہ وہ ماہر منافق اور غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔

فقہ کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا حل قرآن وحدیث سے استنباط کر کے لوگوں تک پہنچایا جائے تا کہ لوگوں کو روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں احکام شرعیہ کے حوالے سے پیش آنے والے مسائل کا حل قرآنی آیات اور احادیث معصومینؑ کی روشنی میں مجتہدین عظام پیش کرتے رہتے ہیں۔لیکن احکام شرعیہ سے ہٹ کر موضوعات کو معین کرنا یا موضوعات کے بارے میں تحقیق کرنا مجتہدین کی ذمہ داری

نہیں ہے۔ پس مجتہدین کی ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ وہ اپنے شعبہ یعنی احکام شرعیہ کے مسائل کا حل بیان کریں نہ موضوعات خارجیہ کو بیان کرنا ان کی ذمہ داری ہے جس طرح ہر شعبہ کا ایک ماہر ہوتا ہے اور لوگ ضرورت کے وقت اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں، بصورت دیگر جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں ایک آدمی کا تمام شعبہ ہای زندگی میں ماہر ہونا ممکن نہیں ہے۔ ہم دوسرے شعبوں کے ماہرین پر یہ اعتراض نہیں کرتے کہ وہ صرف ایک ہی شعبہ میں مہارت رکھتے ہیں جبکہ اسے دوسرے شعبوں میں بھی مہارت رکھنی چاہیے اسی طرح ہمیں اس بات کا بھی حق نہیں ہے کہ ہم مجتہدین پر یہ اعتراض کریں کہ وہ صرف ایک شعبہ زندگی میں ہی مہارت کیوں رکھتے ہیں۔ شاید یہی اعتراض اگر ہم فقہ کے علاوہ کسی دوسرے شعبہ کے ماہر پر کرتے تو یہ لوگ ہمارا مذاق اڑانے لگتے لیکن ان کی جانب سے مجتہدین پر یہ اعتراض صاحبان عقل وشعور کے نزدیک ایک مذاق سے بڑھ کر نہیں ہے۔

ان کا اعتراض اس صورت میں بھی قابل قبول ہوتا جب مجتہدین صرف فقہ کے شعبہ پر ہی اپنی توانائیاں خرچ کرنے کا حکم دیتے اور دوسرے شعبوں کی طرف جانے سے منع کرتے جبکہ ایسا ہرگز نہیں ہے، اس کی زندہ وجاوید مثال ایران کی عظیم مملکت ہے جہاں ولایت فقیہ کے زیر سایہ ایرانیوں نے کتنی ترقی کی ہے اور آج ترقی پذیر ممالک ان کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں خود کفیل ہو رہے ہیں اور دنیا میں ظاہراً کسی حمایت کرنے والے کے بغیر فرعون زمانہ شیطان بزرگ امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہیں۔

پندرہواں اعتراض:

آج کل کا دور تخصص اور اسپیشلائزیشن کا دور ہے اس میں فقہ کے ہر شعبہ میں الگ الگ مجتہد ہونے چاہیں اور صرف ایک اعلم کی تقلید نہیں ہونی چاہیے۔

جواب:

درحقیقت اس اعتراض کو پیش کرنے والوں نے لفظ ''اعلم'' پر غور ہی نہیں کیا کیونکہ اگر اس لفظ پر غور کرتے تو یہ اعتراض پیش ہی نہ کرتے۔ کیونکہ اعلم کا مطلب ہی یہ ہے کہ فقہ کے تمام ابواب میں سب سے زیادہ جاننے والا۔ ہمارا وظیفہ یہی ہے کہ جو سب سے زیادہ جاننے والا ہے ہم احکام شرعیہ معلوم کرنے کے لئے اسی کی طرف ہی رجوع کریں۔

ہاں اگر مجتہد اعلم کے لئے قرآن وسنت سے کسی مسئلہ کا حکم واضح نہ ہو سکے تو وہ احتیاط واجب، احتیاط لازم اور محل اشکال جیسے الفاظ کو استعمال کرتا ہے تاکہ مقلد اس اعلم مجتہد کے بعد علم میں سب سے بڑے مجتہد کی طرف رجوع کرلے۔ جہاں پر مجتہد اعلم کے لئے کوئی مسئلہ واضح نہ ہو وہ اپنی رائے (قیاس واستحسان وغیرہ) سے فتوی نہیں دیتا بلکہ مقلد سے کہتا ہے کہ میرے بعد جو اعلم ہے اگر اس نے اس مسئلہ میں فتوی دیا ہے تو صرف اسی مسئلہ میں اس کی طرف رجوع کرے، کیونکہ شریعت کے محافظ مجتہدین اس بات کا کلی طور پر دعوی نہیں کرتے کہ ہم تمام احکام شرعیہ کو کما حقہ سمجھتے ہیں بلکہ اپنے حاصل کردہ علوم کی مدد سے قرآن وحدیث سے استنباط کرتے ہیں اور جہاں ان کا علم کسی مسئلہ کا حکم معلوم کرنے سے قاصر ہو وہاں دوسرے مجتہد کی طرف رجوع کرنے کا حکم

دیتے ہیں اور اسے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بناتے کہ مجتہد اعلم ہو کر بھی اس مسئلہ کا حکم معلوم نہیں ہے، جبکہ اگر کوئی نا اہل اور مفاد پرست واقتدار پرست ہوتا تو وہ یہ کیسے برداشت کرتا کہ عوام ایک مسئلہ میں بھی کسی دوسرے کی طرف رجوع کریں۔

سولہواں اعتراض:

مجتہد اعلم ایک ہی ہوسکتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ کئی مجتہد الگ الگ رسالہ عملیہ چھپوا کر تقلید کرواتے ہیں؟۔

جواب:

کسی بھی فقیہ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے فقیہ کی تقلید کرے کیونکہ جب وہ مسائل شرعی میں استنباط کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے تو اس کے لئے اپنے استنباط پر عمل کرنا ضروری ہے، جیسا کہ اجازہ ہائے فتاویٰ میں یہ عبارت نظر آتی ہے کہ ''اس پر تقلید کرنا حرام ہے'' کیونکہ ہر مجتہد اپنی نظر کے مطابق خود اعلم ہے اور اگر وہ کسی اور کو اپنے سے اعلم سمجھتا ہو تو پھر اس پر تقلید کرنا واجب ہو جائے گا۔ ہاں یہ مقلدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اعلم کو پہچانیں، البتہ عام مقلدین یہ کام انجام نہیں دے سکتے کیونکہ ظاہر ہے سارے فقہاء علم میں مقلدین سے زیادہ مرتبے پر فائز ہیں، اس لئے علماء کی ایک کمیٹی اس کا تعین کرتی ہے یا ایسے افراد جن کے اندر علمی حوالے سے یہ صلاحیت موجود ہو کہ وہ اعلم کو پہچان سکیں اس بات کا تعین کرتے ہیں لہٰذا عام مقلدین کو اعلم کو پہچاننے کے لئے ایسے افراد کے قول پر عمل کرنا چاہیے۔

علم ایک ایسی چیز ہے جس میں اختلاف عین ممکن ہے اور اس صورت میں

ہمارے ائمہ معصومینؑ نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ ان میں سے افقہ یعنی احکام فقہی کو زیادہ جاننے والے کی طرف رجوع کرو جیسا کہ امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے: اگر دو آدمیوں کے درمیان اختلاف ہوجائے تو انہیں چاہیے کہ وہ حاکم جور کی طرف رجوع نہ کریں بلکہ ہماری حدیثوں کو نقل کرنے والے، ہمارے حلال وحرام پر نظر رکھنے والے اور ہمارے احکام کو پہچاننے والے کی طرف رجوع کریں۔ راوی نے پوچھا اگر اس حوالے سے آپؑ کی احادیث مختلف ہوں تو کس (فقیہ) کی بات کو قبول کریں۔ امامؑ نے فرمایا: ان میں سے جو اعدل، افقہ اور اصدق ہوگا اس کی بات پر عمل کریں۔ (۱)

اس حدیث سے واضح ہوجاتا ہے کہ فقہ اور اجتہاد ایک شخصیت میں منحصر نہیں ہوتے بلکہ مختلف فقیہ اور مجتہد ہوسکتے ہیں جو مبانی شرعیہ سے احکام کو استنباط کریں لیکن عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ افقہ کی طرف رجوع کریں۔

سترہواں اعتراض:

مجتہد کی تقلید کے لئے اکثر ڈاکٹر کی مثال پیش کرتے ہیں جبکہ مجتہد اور ڈاکٹر میں فرق ہے ڈاکٹر کو تبدیل کرسکتے ہیں جبکہ بقول علماء مجتہد کو تبدیل نہیں کرسکتے۔

جواب:

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ صرف مثال ہے اور اس حوالے سے عقلاء یہ کہتے ہیں کہ مثال میں اشکال اور مناقشہ نہیں کیا جاتا اور ہم نے بھی اسے اس لئے ذکر کیا ہے

.....

۱۔ احتجاج طبرسی ج ۲ ص ۳۵۵

کیونکہ تقلید کے مخالفین اسے بھی اعتراضات کی صف میں شمار کر کے اعتراض کرتے ہیں ورنہ یہ ایسا اعتراض ہے جو جواب دینے کے قابل بھی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر کوئی انسان دنیا کے بہترین ڈاکٹر کے پاس اپنا علاج کر ارہا ہو اور اس ڈاکٹر جیسا اس دنیا میں کوئی اور نہ ہو تو ہر عاقل انسان یہی کہے گا کہ مریض کو اسی ڈاکٹر کے پاس اپنا علاج کرانا چاہیے اور اگر وہ اس ڈاکٹر کو چھوڑ کر کسی دوسرے ڈاکٹر کے پاس چلا جائے تو عقلاء اس کی مذمت کریں گے۔ ہاں اگر وہ ڈاکٹر صحیح علاج نہیں کرسکتا یا علاج کرنے میں سستی کا مظاہرہ کرتا ہے تو اسے بدل دینا چاہیے کیونکہ اس صورت میں وہ دنیا کا بہترین ڈاکٹر نہیں ہوگا۔ یہی صورتحال تقلید میں بھی ہے، انسان کو چاہیے کہ سب سے اعلم مجتہد کی تقلید کرے لیکن اگر اس مجتہد کے اندر اتنی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہ احکام کو صحیح طریقے سے استنباط کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اسے مجتہد اعلم سمجھنے میں غلطی کی تھی یا اگر وہ مجتہد احکام شرعی کے استنباط میں سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں مجتہد فوراً بدلنا چاہیے۔ لیکن اگر ڈاکٹر اور مجتہد دونوں سب سے بہتر ہیں تو ان کو ترک کرنے پر تمام اہل عقل مذمت کریں گے۔

اٹھارہواں اعتراض:

جب ہمیں کسی حکم کے بارے میں معلوم نہ ہو تو مجتہد کی طرف رجوع کرنا چاہیے جیسا کہ ضرورت کے وقت ہر شعبہ کے ماہر کی طرف رجوع کیا جاتا ہے لیکن قرآن وسنت میں یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ ایک مجتہد کی تقلید کا سلسلہ ٹوٹے بغیر اس میں تسلسل رہنا چاہیے، خواہ حکم شرعی کی ضرورت پڑے یا نہ پڑے، اس میں بھی دوسرے شعبہ ہائے زندگی کی طرح ضرورت پڑنے پر رجوع کیا جانا چاہیے نہ تسلسل کے ساتھ۔

جواب:

یہ بات پہلے بھی بتا دی ہے کہ تقلید ایک طریقہ عمل ہے کوئی عقیدہ نہیں تا کہ ہمیشہ اس عقیدہ کے پابند رہا جائے، اعتراض کرنے والے مسئلہ تقلید کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ اعتراض پیش کرتے ہیں۔ ہمارا یہ نظریہ ہے کہ انسان کو جب بھی مسائل شرعیہ میں سے کوئی مسئلہ پیش آئے اور اسے اس مسئلہ شرعیہ کا حکم معلوم نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ مجتہد کی طرف رجوع کرے۔

انسان جب اپنی حالت دیکھتا ہے کہ اسے روزانہ اور زندگی کے ہر قدم پر حکم شرعی کی ضرورت پیش آتی ہے، خصوصاً عبادات روزانہ واجب ہیں بلکہ پانچ نمازیں پڑھنا ہر ایک پر فرض ہے اور ان کے لئے وضو کرنا بھی واجب ہے تو کس طرح ایک انسان تقلید کے بغیر ان پر عمل کر سکتا ہے جبکہ آیات میں موجود احکام بہت ہی مبہم ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سارے مسائل پیش آتے رہتے ہیں جن میں احکام شرعیہ کی ضرورت پڑتی رہتی ہے لہٰذا ان تمام مسائل کے حل کے لئے مجتہد اعلم کی تقلید ضروری ہوتی ہے۔ چونکہ انسان کو ایسے مسائل زیادہ پیش آتے ہیں جن کی وجہ سے انسان اپنے مجتہد کی طرف رجوع کرتا رہتا ہے اسی لئے اعتراض کرنے والے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ تقلید ایک عقیدے کا نام ہے اور جس طرح نماز پڑھتے ہوئے یا روزہ کی حالت میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس میں نیت تسلسل کے ساتھ جاری رہے اسی طرح تقلید میں بھی نیت تقلید ہر لحہ و ہر آن ضروری ہے اور اس کا تسلسل ضروری ہے جبکہ ہم نے بتا دیا کہ تقلید طریقۂ عمل اور لائن آف ایکشن ہے اور مقام عمل میں جس وقت مسئلہ شرعی پیش آتا ہے انسان اپنے مرجع دینی کی طرف رجوع کرتا ہے۔

انسان کبھی کبھار بیمار ہوتا ہے تو اسی وقت ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتا ہے، دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں بھی جیسے ہی ضرورت پیش آتی ہے اس شعبہ کے ماہر کی طرف رجوع کیا جاتا ہے لیکن انسان کو مسائل شرعیہ کی ہر قدم پر ضرورت پڑتی ہے لہٰذا تقلید کا سلسلہ رکے بغیر جاری وساری رہتا ہے، جس طرح اگر کوئی آدمی مسلسل بیمار رہتا ہے تو وہ تسلسل کے ساتھ ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتا ہے۔

انیسواں اعتراض:

مجتہدین اپنی ذاتی رائے پر عمل کرتے ہیں اور قیاس کو دلیل کے طور پر حجت سمجھتے ہیں یعنی احکام شرعی میں اپنی عقل کو استعمال کرتے ہیں اور قیاس کے خلاف ہمیشہ ہمارے ائمہ معصومین ؑ نے جہاد کیا ہے لہٰذا ان کی تقلید جائز نہیں ہے۔

جواب:

ہم نے اس سے پہلے ہی یہ بتا دیا ہے کہ مجتہد کبھی بھی اپنی ذاتی رائے پر عمل نہیں کرتا۔ وہ صرف اپنے علم کی مدد سے قرآن وسنت سے احکام خداوندی کو استنباط کر کے ہمارے سامنے رکھتا ہے لہٰذا یہ اعتراض بالکل غیر معقول ہے کہ مجتہد اپنی ذاتی رائے پر عمل کرتا ہے۔ ہم اس بات کو پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ اخباری حضرات لفظ ''قیاس'' کے اشتراک لفظی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ وہ قیاس جس کی ہمارے ائمہ معصومینؑ نے مخالفت کی ہے وہ الگ قیاس ہے اور جس قیاس کو ہمارے مجتہدین دلیل مانتے ہیں وہ الگ قیاس ہے۔ جس قیاس کی ہمارے ائمہ معصومینؑ نے کھل کر مخالفت کی ہے خصوصاً امام جعفر صادق ؑ نے قیاس پر عمل کرنے کی وجہ سے ابوحنیفہ کی بہت شدت کے ساتھ مخالفت کی ہے وہ قیاس قرآن وسنت کا مخالف قیاس تھا کیونکہ ان

کا نظریہ، یہ ہے کہ قرآن وسنت میں تمام احکام کا حل موجود نہیں ہے لہٰذا ہم قرآن وسنت کے بعد اپنی عقل کے ذریعہ اس کا حل تلاش کرتے ہیں، جس قیاس کی مکتب اہل بیتؑ نے مخالفت کی ہے اس میں ایک جزء کا حکم دوسرے جزء پر لاگو کیا جاتا ہے، اگر دو ایک ہی قسم کی چیزیں ہوں اور ان میں سے ایک کا حکم معلوم ہو لیکن دوسرے کا حکم معلوم نہ ہو تو جو حکم معلوم ہے اسی حکم کو شباہت رکھنے والی دوسری چیز کے لئے بھی ثابت کیا جاتا ہے۔ ہمارے مکتب کے مطابق یہ سراسر ناانصافی ہے مثلاً اگر کسی آدمی نے ایک بے گناہ کو قتل کیا ہو اور بھاگ گیا ہو لیکن وہاں پر اسی قاتل کا ایک ہمشکل آدمی موجود ہو تو یہ کسی بھی صورت میں انصاف کا تقاضا نہیں ہے کہ اس بے گناہ شخص کو صرف اس بنا پر سزا دی جائے کہ وہ قاتل کا ہمشکل ہے۔

جس قیاس کو ہم حجت سمجھتے ہیں اس سے مراد کلیات سے جزئی کا حکم معلوم کرنا اور جزئی کو کلی پر منطبق کرنا ہے، یعنی جو احکام قرآن وحدیث میں کلی اور قانون کی شکل میں موجود ہیں انہیں جزئیات پر لاگو کرنے کو قیاس کہتے ہیں۔ اہل سنت کی طرح ہمارا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ قرآن وسنت میں تمام احکام کا حل موجود نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بتا دیا اسلام ایک کلی اور آفاقی مذہب ہے اور رہتی دنیا تک کے لئے ہے لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ جو مذہب قیامت تک کے لوگوں کے لئے ہو لیکن اس میں قیامت تک آنے والے سارے لوگوں کے مسائل کا حل موجود ہی نہ ہو، پھر ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اسلام ایک بہترین نمونہ عمل ہے۔ جس دین میں رسول اسلام ؐ سے قریب کے زمانے کے لوگوں کے مسائل کا حل موجود نہ ہو بھلا وہ قیامت تک کے لئے بہترین نمونہ عمل کیسے بن سکتا ہے، لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام کے احکام مکمل طور پر بیان کر دیئے

گئے ہیں، البتہ احکام کو قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ سے اخذ کرنے والے کے اندر یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ احادیث اور آیات کی کلیات سے جزئیات کا حکم اخذ کرے۔ رسول اسلامؐ نے اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے قرآن واہل بیتؑ سے تمسک رکھنے کا حکم دیا تھا۔ شیعوں نے ان دونوں سے تمسک رکھا اس لئے انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی اور انہوں نے ان کے اقوال کی روشنی میں تمام جزئیات کا حکم کلیات کے ذریعہ معلوم کرلیا لیکن جنہوں نے دامن اہل بیتؑ کو چھوڑ دیا وہ سرگرداں ہوگئے، جب انہیں اپنے مسائل کا حل نظر نہیں آیا تو الزام خدا کی کتاب اور رسولؐ پر لگایا اور کہنے لگے کہ آیات اور احادیث میں تمام احکامات کا حل موجود نہیں ہے اس لئے ہم قیاس پر عمل کرتے ہیں۔

اس حوالے سے پہلے کافی روایات نقل کی جا چکی ہیں کہ رسولؐ اور ائمہ معصومینؑ نے اصول اور کلیات ہمارے حوالے کئے ہیں اور یہ مجتہدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کلیات اور اصول کو جزئیات پر لاگو کریں۔ اخباری حضرات لفظ قیاس کے مشترک ہونے کا غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور سادہ لوح افراد کو گمراہ کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ جب کہ ہمارے اس بیان سے واضح ہوگیا کہ جس قیاس کی مخالفت ہمارے ائمہ معصومینؑ نے کی اور جس قیاس کو ہمارے مجتہدین دلیل مانتے ہیں ان دونوں میں بہت فرق ہے۔

باطل قیاس کے سلسلے میں امام جعفر صادقؑ نے ہمیشہ ابوحنیفہ کی کھل کر مخالفت کی اور ایک مقام پر آپؑ نے اس سے پوچھا کہ یہ بتاؤ پیشاب کی نجاست زیادہ شدید ہے یا منی کی تو اس نے جواب دیا کہ پیشاب کی۔ آپؑ نے فرمایا: ہاں تم نے

درست کہا، لیکن منی کے خارج ہونے کے بعد غسل واجب ہو جاتا ہے جبکہ پیشاب کے خارج ہونے سے غسل واجب کیوں نہیں ہوتا؟ تو اس کے جواب میں وہ خاموش ہو گیا۔

ایک اور مقام پر آپؑ نے ابو حنیفہ سے پوچھا کہ یہ بتاؤ نماز کی زیادہ اہمیت ہے یا روزہ کی؟۔ اس نے جواب دیا کہ نماز کی زیادہ اہمیت ہے۔ آپؑ نے فرمایا تم نے درست جواب دیا، لیکن یہ بتاؤ کہ عورت پر حالت حیض میں رہ جانے والے روزوں کی قضا واجب ہے لیکن حالت حیض میں رہ جانے والی نمازوں کی قضا واجب کیوں نہیں ہے، تو وہ خاموش ہو گیا۔ امامؑ یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ احکام الٰہی میں قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

جو لوگ اجتہاد اور تقلید کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ہر انسان کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ خود قرآن وسنت سے احکام استنباط کرے تو حقیقت میں وہ قیاس پر عمل کر رہا ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ اپنے آپ کو اخباری کہتا ہے یعنی صرف اور صرف روایات اور احادیث معصومینؑ پر عمل کرنے والے جبکہ دوسری طرف وہ اپنی عقل کا حکم مان کر قیاس کر رہا ہے کیونکہ اس کی عقل یہ کہہ رہی ہے کہ ہر انسان کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ خود قرآن وسنت سے احکام استنباط کرے۔

ہم ان اخباری حضرات سے یہ پوچھتے ہیں کہ تم لوگ اپنے آپ کو اخباری کہتے ہو یعنی صرف اور صرف اخبار معصومینؑ پر عمل کرنے والے، کیا تمہارے پاس ایسی کوئی روایت اور حدیث ہے جو یہ بیان کرتی ہو کہ ہر آدمی استنباط کر سکتا ہے، اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو تم لوگ اپنی عقل کی بنا پر قیاس کر رہے ہو کہ استنباط کا حق ہر فرد کے پاس ہونا چاہئے۔ قیاس کی مخالفت کرنے والے خود قیاس پر عمل کر رہے ہیں، ان کے اس عملی تضاد اور منافقانہ طرز عمل کو دیکھتے ہوئے باشعور افراد سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے اصلی مقاصد کیا ہیں؟۔

شیعوں میں اخباریت کا آغاز

اب سوال یہ نہیں رہا کہ اجتہاد و تقلید شیعیت میں کب سے ہے؟ وہ تو ثابت ہو چکا کہ زمانہ رسولِ خداؐ، زمانہ ائمہ معصومینؑ اور زمانہ غیبت کبریٰ سے لے کر آج تک جاری و ساری ہے۔ بلکہ سوال تو یہ ہے کہ آخر چند افراد جن کے چند پیروکار آج بھی اجتہاد و تقلید سے روگردانی کا نعرہ بلند کر رہے ہیں، انہوں نے کب شیعیت کے اس مسلم اصول کو چھوڑا؟۔

تاریخ سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اجتہاد و تقلید سے لوگوں کو سب سے پہلے ہٹانے والے اخباری مذہب کے بانی ملا محمد امین استرآبادی تھے۔ جنہوں نے گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی کتاب فوائد المدنیہ، میں اجتہاد و تقلید کے خلاف اپنے نظریات کو سب سے پہلے ظاہر کیا ہے۔ بہتر ہے کہ اجتہاد و تقلید سے روگردانی کرنے والے اس شیعہ فرقے کے متعلق گفتگو ہم شہید مطہریؒ کے حوالے سے نقل کریں۔ جس کو آقائے محمد عقیق بخشائش نے اپنی کتاب، امام صادقؑ پیشوا اور رئیس مذہب میں نقل کیا ہے۔

آیت اللہ شہید مطہریؒ فرماتے ہیں کہ: بہت تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں شیعوں کے درمیان ایک نئے مسلک کا ظہور ہوا جو حنبلی مسلک سے بھی زیادہ جامد اور خشک تھا۔ یہ اخباری مسلک شیعیت کی دنیا کا ایک

بہت بڑا حادثہ تھا، جس کے کم و بیش آثار اب بھی پائے جاتے ہیں اور شیعی معاشرے کے جمود کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ اخباری مذہب کے بانی ملا محمد امین استرآبادی تھے ان کے عقائد اور نظریات کو واضح کرنے والی ان کی مشہور کتاب فوائد مدنیہ ہے، امین استرآبادی مطلقا اجتہاد و تقلید کا انکار کرتے تھے بلکہ اجتہاد و تقلید کو دین کے لئے بدعت سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ کوئی شخص امام معصومؑ کے علاوہ کسی کی تقلید کا حق نہیں رکھتا۔ امین استرآبادی اور ان کے پیروکاروں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب وہی ہے جو قدیم شیعوں کا ہے اور یہ کہ شیخ صدوقؒ کے زمانے تک شیعہ اخباری مسلک رکھتے تھے۔ (یعنی اجتہاد و تقلید نہیں کرتے تھے) اور رفتہ رفتہ ابن ابو عقیلؒ، ابن جنیدؒ، شیخ مفیدؒ، سید مرتضیٰؒ اور شیخ طوسیؒ کے ذریعے لوگ راستے سے منحرف ہوتے گئے اور احکام الٰہی میں اجتہاد و تعقل کو داخل کر دیا گیا،،۔

اس کے بعد شہید مطہریؒ فرماتے ہیں کہ: حقیقت یہ ہے کہ اخباریت، کبھی بھی اپنے معین اصول مثلاً غیر معصوم کی تقلید کا جائز نہ ہونا اور دلیل کا حجت ہونا جیسے اصولوں کے ساتھ ایک مکتب کی صورت میں ظہور پذیر نہیں ہوتی (یعنی یہ کہا جائے کہ شیخ صدوقؒ اور ان سے پہلے کے علماء اجتہاد و تقلید کے قائل نہ تھے بلکہ اخباری مسلک رکھتے تھے) اخباری شیخ صدوق کو شاید اس لئے اخباری مسلک کا پیرو کہتے ہیں کیونکہ شیخ صدوق روایات معصومینؑ نقل کیا کرتے تھے جیسا کہ ان کی مشہور کتاب ''من لایحضرہ الفقیہ'' میں احادیث و روایات معصومینؑ کو نقل کیا گیا ہے، ان کا یہ نظریہ غلط ہے کیونکہ بعض لوگوں کا مشغلہ حدیث بیان کرنا ہوتا تھا اور وہ اپنی کتابوں میں صرف حدیثیں ہی

بیان کرتے تھے اور ان کے فتوے اکثر حدیثوں کا موضوع ہوا کرتے تھے۔ احادیث کی کثرت اور ائمہ اہل بیتؑ کا زمانہ قریب ہونے کی وجہ سے ابھی یہ ضرورت پیش نہیں آئی تھی کہ فروعات میں اجتہاد کیا جائے۔

خوش نصیبی سے مجتہدین اور مسئولین کے درمیان ایسی قدآور شخصیات وجود میں آئیں جو اخباریوں کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑی ہوگئیں۔ جن افراد نے اخباری فکر کے خلاف سختی سے مقابلہ ومبارزہ کیا ہے ان میں سر فہرست استاد الکل آقائے وحید بہبہانیؒ اور شیخ مرتضیٰؒ انصاری کا نام نامی ہے۔ ضمناً یہ بات بھی کہے بغیر نہ رہ جائے کہ اخباریت کے خلاف بڑا ہی سخت مبارزہ تھا کیونکہ اخباری مسلک کی ظاہری شکل و صورت بہت حق بجانب اور عوام فریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امین استرآبادی کے بعد اس مسلک نے تیزی سے رواج پایا،،۔

اس بیان کے بعد شہید مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ: اخباری (اجتہاد وتقلید کے مخالف) اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ گویا قول وگفتار معصومؑ کے وہی سچے پیرو کار ہیں (جبکہ حقیقت میں وہ اس سے کوسوں دور ہیں) شیخ مرتضیٰ انصاریؒ اپنی کتاب، فرائدالاصول کے مباحث برائت واحتیاط میں ایک اخباری (اجتہاد وتقلید کے نہ ماننے والے) کا قول نقل کرتے ہیں اور یہ قول بظاہر عوام کو فریب دینے والا ہے کہ قیامت میں عدل الٰہی کے سامنے اگر کوئی اخباری کھڑا کر دیا جائے اور اس سے سوال کیا جائے کہ تو نے دنیا میں کس طرح عمل کیا؟ تو وہ جواب دے گا معصومؑ کے قول پر عمل کیا جہاں قول معصومؑ نہ ملا وہاں احتیاط پر عمل کیا تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے شخص کو جہنم میں دھکیل دیا

جائے گا اور دین سے بے پرواہ ولا ابالی اشخاص (یعنی مجتہدین ومقلدین) کو جنت میں لے جایا جائے۔

ظاہر ہے کہ ایسے عوام فریب افکار جو شکل وصورت میں حق بجانب معلوم ہوتے ہیں ان کے ساتھ مقابلہ کس قدر دشوار ہے۔ اجتہاد وتقلید کے ذمہ دار افراد نے اس کا جواب اس طرح دیا کہ ہم بھی معصومؑ کے قول واقعی کو تسلیم وقبول کرتے ہیں مگر آپ اخباریوں نے امامؑ کے اقوال تسلیم کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، کہ نہ تو صحیح وغلط احادیث میں امتیاز کرتے ہیں اور نہ ہی کلام معصومؑ کی روح میں غور وتفکر، حقیقت میں یہ قول معصومؑ کو تسلیم کرنا نہیں بلکہ جہالت کو تسلیم کرنا ہے۔

اس کے بعد شہید مطہریؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اگر چہ چند رہبران اجتہاد کے مردانہ وار حملوں سے ہی اخباریوں کی صف درہم برہم ہوگئی مگر اخباری گروہ کی فکر بالکل ختم نہیں ہوسکی۔ آج بھی بعض لوگ بعض جگہ اخباریت کی فکری جمود کی سربراہ ہیں اور بعض مطالب ایسے بھی دیکھے جاتے ہیں کہ جو معارف اہل بیتؑ کے نام سے بازار میں سامنے آتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ائمہ معصومینؑ کی تعلیمات پر خنجر گھونپ رہے ہیں اور سوائے امین استرآبادی کے بچے کھچے افکار کے علاوہ ان کے پاس اور کچھ بھی نہیں ہے''۔

شہید مطہریؒ کے مذکورہ بیان سے ظاہر ہوا کہ خود شہید مطہریؒ اخباریت کو شیعیت کے لئے کتنا بڑا خطرہ شمار کرتے ہیں اگر کہیں شہید مطہریؒ نے تقلید کی مذمت کی ہے تو شہید مطہریؒ نے یہ باتیں فقہی احکام تقلید کے ضمن اور سلسلے میں نہیں کہی ہیں بلکہ

دیگر افکار مثلاً، غیر ثابت شدہ امور میں ایسی تقلید کہ جس میں آگہی نہ ہو سکے اور فکری جمود طاری ہو جائے ایسی تقلید کی مذمت کی ہے ورنہ تو شہید مطہریؒ کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود شہید مطہریؒ احکام فقہی میں کس حد تک بلا سوال اور بغیر کسی حیل و حجت کے تقلید کے قائل ہیں۔(۱)

آقائے شہید مطہریؒ اپنی کتاب ''عورت پردہ کی آغوش'' میں پردہ سے متعلق اپنے نظریہ کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: ممکن ہے کہ میرا نظریہ غلط ہو، میں نے یہ بات بار بار کہی ہے کہ اس قسم کے فروعی مسائل میں ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے مجتہد کے فتوی پر عمل کرے۔(۲)

شہید مطہریؒ کتاب سخن میں اخباریوں کے فکری جمود کو بیان کرتے ہوئے وحید بہبہانیؒ کا قول نقل کرتے ہیں: وحید بہبہانیؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شوال کا چاند تواتر کے ساتھ ثابت ہو گیا، میرے پاس بہت سے لوگ آئے اور کہا کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو مجھے یقین ہو گیا اور میں نے حکم دے دیا کہ آج عید الفطر ہے۔ ایک اخباری نے اعتراض کیا کہ نہ تم نے خود چاند دیکھا ہے نہ اتنے لوگوں نے گواہی دی ہے جن کا معتبر ہونا شرعاً مسلّم ہو، پھر تم نے کیسے حکم دیا۔ میں نے کہا: تواتر کی وجہ سے مجھے یقین ہو گیا۔ اس نے کہا: یہ کس حدیث میں آیا ہے کہ تواتر حجت ہے؟ اب آپ خود دیکھیں یہ حال ہے اخباری حضرات کا جبکہ تواتر کا حجت ہونا مسلمات میں سے ہے۔

.....

۱۔ اجتہاد و تقلید پر اعتراضات کا تجزیہ ص ۳۵ ۲۔ عورت پردہ کی آغوش ۲۳۶

وحید بہبہانیؒ کہتے ہیں کہ اخباریوں میں فکری جمود اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ اگر بالفرض کوئی مریض ائمہ معصومینؑ میں سے کسی ایک کے پاس جاتا اور امامؑ اسے فرما دیتے کہ ٹھنڈا پانی پیو، تو اخباری تمام دنیا کے مریضوں سے کہتے کہ جب بھی سخت بیمار ہو، چاہے بیماری کچھ ہی کیوں نہ ہو، ٹھنڈا پانی پیو یہی علاج ہے۔ وہ ہرگز یہ نہ سوچتے کہ یہ ہدایت ایک خاص مریض کو دی گئی تھی، سب مریضوں کو نہیں۔

یہ بھی مشہور ہے کہ بعض اخباریوں نے ہدایت کی تھی کہ میت کے کفن پر شہادتین اس طرح لکھیں کہ: اِسْمَاعِیْلُ یَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، یعنی اسماعیل گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جب اخباریوں سے پوچھا جاتا تھا کہ مرنے والے کا نام تو اسماعیل نہیں ہے پھر کیوں اس کے کفن پر اس طرح لکھا جائے: اسماعیل گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟۔ اس کے جواب میں اخباری کہتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ امام صادقؑ نے اپنے فرزند اسماعیل کے کفن پر اسی طرح لکھا تھا لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی میت کے کفن پر امام جعفر صادقؑ کی پیروی کرتے ہوئے یہی الفاظ لکھیں۔ اخباری یہ نہیں سوچتے کہ امام جعفر صادقؑ نے اسماعیل کے کفن پر اس طرح اس لئے اسماعیل لکھا تھا کیونکہ میت کا نام اسماعیل تھا، اب اگر میت کا نام مثلاً حسن قلی ہے تو ہم اس کا نام کیوں نہ لکھیں اور اسماعیل کا نام کیوں لکھیں؟ اخباری کہتے ہیں کہ یہ اجتہاد ہے اور عقل کو دخل دینے کے مترادف ہے، ہم تو اہل تعبّد و تسلیم ہیں اور قال الباقرؑ اور قال الصادقؑ کے قائل ہیں، اپنی طرف

سے کوئی دخل نہیں دیتے۔(۱)

شہید مطہری اخباریوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بہت سی حدیثوں میں عمامہ کا تحت الحنک گردن میں لپیٹے رہنے کا حکم دیا گیا ہے صرف نماز میں ہی نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ، اس سلسلہ کی ایک حدیث یہ ہے ''اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُشْرِکِیْنَ التَّلَحِّیْ'' مسلمان ومشرک کا فرق گلے میں تحت الحنک لپیٹنا ہے۔(۲)

کچھ اخباریوں نے اس قسم کی حدیثوں سے تمسک کر کے کہا ہے کہ تحت الحنک ہمیشہ گلے میں پڑے رہنا چاہیے لیکن ملا محسن فیض مرحوم نے باوجود اس کے کہ اجتہاد کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اپنی کتاب ''وافی'' کے باب ''الرای والتجمل'' میں اس سلسلہ میں ایک قسم کا اجتہاد کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں قدیم زمانہ میں مشرکوں کا شیوہ تھا کہ وہ تحت الحنک عمامہ کے اوپر باندھے رہتے تھے اور اس عمل کو ''اقتعاط'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی یہ کام کرتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ میں مشرکوں کے گروہ میں شامل ہوں چنانچہ یہ حدیث اس عمل وشیوہ کے خلاف مبارزہ کرنے اور مشرکوں کی اس علامت کی پیروی نہ کرنے کی خاطر ہے لیکن آج جب کہ وہ علامت ختم ہو چکی ہے تو پھر اس حدیث کا کوئی موضوع باقی نہیں رہا ہے آج چونکہ کوئی شخص تحت الحنک گلے میں نہیں لپیٹتا اس کے باوجود اگر کوئی شخص آج کے دور میں تحت الحنک گلے میں لپیٹے اور وہ ''لباس شہرت'' کی شکل اختیار کر لے تو لباس شہرت حرام

۱۔ سخن ص ۱۰۸ ۲۔ وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۲۶۶

ہے۔لباس شہرت اس لباس کو کہتے ہیں جسے پہننے والا دوسرے لوگوں سے ممتاز نظر آئے تا کہ لوگ اسے دیکھیں اور وہ اس سے معروف اور مشہور ہو جائے۔اور لباس شہرت میں وہ لباس بھی شامل ہوتا ہے جو معاشرے کے رسم ورواج اور عادات کے مخالف ہو۔

یہاں اخباریت کا جمود کہتا ہے کہ: حدیث میں صرف تحت الحنک لپیٹنے کا حکم بیان ہوا ہے لہٰذا اس کے بارے میں بحث واجتہاد کرنا فضول ہے لیکن اجتہادی فکر کہتی ہے کہ ہمیں دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ،ایک: مشرکوں کی علامت سے اجتناب، دوسری: لباس شہرت سے پرہیز۔جس وقت مشرکین کی وہ علامت دنیا میں موجود تھی مسلمان اس سے اجتناب کرتے تھے، گلے میں تحت الحنک لپیٹے رہنا سب پر واجب تھا لیکن آج جب کہ یہ موضوع ختم ہو چکا ہے،اب یہ مشرکین کی علامت نہیں رہا اور عملی طور پر اب کوئی بھی تحت الحنک نہیں لپیٹتا لہٰذا اب کوئی شخص یہ عمل بجالاتا ہے تو وہ لباس شہرت کا مصداق ہے جو کہ حرام ہے۔

پس ثابت ہو گیا کہ اخباریت کی ابتداء ملا امین استر آبادی متوفی ۱۰۳۶ھ نے کی ہے، جبکہ مرجعیت کی ابتداء امام زمانہؑ کی غیبت کبریٰ سے شروع ہوئی ہے۔یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ مرجعیت کی ابتداء امام زمانہؑ کی غیبت کبری کے بعد ہی شروع ہو گئی تھی،اس لئے ہم یہاں پر غیبت کبری سے لیکر اب تک کے ان تمام مجتہدین کے اسمائے گرامی نقل کرتے ہیں جو مقام مرجعیت پر فائز تھے۔

زمانہ حیات کی ترتیب کے مطابق قدیم مراجعین عظام کی فہرست

تولدووفات	نام / ولدیت	کنیت	شہرت	محل سکونت
۳۴۰	حسن بن علی	ابومحمد	ابن ابی عقیل عمانی	عراق
۳۴۳	محمد بن حسن بن احمد	ابوجعفر	ابن ولید	قم
۲۸۵۔۳۶۸	احمد بن محمد	ابوغالب	شیبانی۔زراری	کوفہ
۳۶۹	جعفر بن محمد	ابوالقاسم	ابن قولویہ	قم
۳۷۸	محمد بن احمد	ابوالحسن	ابن داؤد	قم۔بغداد
۳۸۱	محمد بن علی بن حسین	ابوجعفر ثانی	شیخ صدوق	رے۔بغداد
۳۸۱	محمد بن احمد	ابوعلی	ابن جنید اسکافی	رے
۳۳۶۔۴۱۳	محمد بن محمد بن نعمان	ابوعبداللہ	شیخ مفید	بغداد
۳۳۶۔۳۵۵	علی بن حسین	ابوالقاسم	سید مرتضی علم الہدی	بغداد
۳۴۷۔۴۴۷	تقی بن نجم	ابوصلاح	حلبی	حلب
۳۸۵۔۴۶۰	محمد بن حسن	ابوجعفر ثالث	شیخ طوسی	بغداد۔نجف
۴۶۳	حمزہ بن عبدالعزیز	ابویعلی	سلار	حلب
۴۶۳	محمد بن حسن بن حمزہ	ابویعلی	جعفری	بغداد
۴۰۰۔۴۸۱	عبدالعزیز بن تحریر	ابوالقاسم	قاضی بن برّاج	طرابلس
۵۱۵	حسن بن محمد	ابوعلی	مفید ثانی	نجف
۵۶۰	عبدالجلیل بن مسعود	ابوسعید	متکلم رازی	نجف

تولدووفات	نام / ولدیت	کنیت	شہرت	محل سکونت
۵۷۰	فضل اللہ بن علی	ابورضا	حسنی راوندی	کاشان
۵۷۳	سعید بن عبداللہ	قطب الدین	راوندی	کاشان
۵۱۱_۵۸۵	حمزہ بن علی	ابوالمکارم	ابن زہرہ	حلہ
۵۸۵	محمد بن علی بن حمزہ	ابوجعفر رابع	طوسی مشہدی	حلہ
۵۳۳_۵۹۸	محمد بن احمد	ابوعبداللہ	ابن ادریس	حلہ
۶۳۰	فخار بن معد	شمش الدین	موسوی	حلہ
۶۴۵	محمد بن جعفر	ابوابراہیم	ابن نما	حلہ
۵۸۹_۶۶۴	علی بن موسیٰ	رضی الدین	ابن طاؤس	حلہ
۶۷۳	احمد بن موسیٰ	جمال الدین	ابن طاؤس	حلہ
۶۰۲_۶۷۶	جعفر بن حسن	نجم الدین	محقق حلی	حلہ
۶۰۱_۶۷۶	یحیی بن سعید بن احمد	ابوزکریا	ابن سعید حلی	حلہ
۶۴۸_۶۳۹	عبدالکریم بن احمد	غیاث الدین	ابن طاؤس	حلہ
۶۴۸_۷۲۶	حسن بن یوسف	جمال الدین	علامہ حلی	حلہ
۱۸۶_۴۵۷	عبدالمطلب بن محمد	عمیدالدین	عمیدی	حلہ
۷۶۶	محمد بن محمد	ابوجعفر	قطب الدین رازی	حلہ
۶۸۲_۷۷۱	محمد بن حسن	ابوطالب	فخر المحققین	حلہ
۷۳۴_۷۸۶	محمد بن مکی	ابوعبداللہ	شہید اول	حلہ
ـ	علی بن خازن	زین الدین	حائری	حلہ
۸۱۰	علی بن محمد بن مکی	ابوالقاسم	ابن الشہید (اول)	حلہ
۸۲۶	مقداد بن عبداللہ	ابوعبداللہ	فاضل مقداد سیوری	حلہ

تولدووفات	نام / ولدیت	کنیت	شہرت	محل سکونت
۸۴۱_۷۵۷	احمد بن محمد بن فہد	ابوالعباس	ابن فہد حلی	حلہ
۹۱۶_۸۱۰	علی بن ہلال	ابوالحسن	جزائری۔شیخ الاسلام	حلہ
۹۳۳	حسن بن جعفر	بدرالدین	اعرج حسینی	جبل عامل
۹۳۸	محمد بن مکی	شمس الدین	عاملی شامی	جبل عامل
۹۳۸	علی بن عبدالعالی	ابوالقاسم	عاملی میسی	اصفہان
۹۴۰_۸۶۲	علی بن حسین بن عبدالعالی	ابوالحسن	محقق ثانی۔کرکی	حلب۔اصفہان
۹۶۶_۹۱۱	زین الدین بن علی	۔	شہید ثانی	جبع شام
۹۸۰	علی بن حسین	نورالدین	صائغ حسینی	حلہ
۹۸۱	عبداللہ بن حسین	نجم الدین	یزدی	نجف
۹۸۴	علی بن ہلال	۔	عاملی کرکی	اصفہان
۹۸۴_۹۱۸	حسین بن عبدالصمد	عزالدین	حارثی	جبل عامل
۹۹۳	احمد بن محمد	۔	مقدس اردبیلی	نجف
۹۹۳_۹۲۶	عبدالعالی بن علی	ابومحمد	عاملی کرکی	اصفہان
۱۰۰۹	محمد بن علی	۔	صاحب مدارک	جبع شام
۱۰۱۱	حسن بن زین الدین	جمال الدین	صاحب معالم	جبع شام
۱۰۲۱	عبداللہ بن حسین	عزالدین	تستری	اصفہان
۱۰۳۰	محمد بن حسین	بہاءالدین	شیخ بہائی	اصفہان
۱۰۳۱	علی بن محمد	ابوالمعالی	طباطبائی	نجف
۱۰۳۲	ابراہیم بن علی	ابواسحاق	ابن مفلح	اصفہان
۱۰۴۰	محمد بن حسن	۔	فرزند صاحب معالم	حلب

تولد و وفات	نام / ولدیت	کنیت	شہرت	محل سکونت
۱۰۴۰	محمد بن محمد باقر	بہاء الدین	حسینی نائینی	اصفہان
۱۰۴۱	محمد باقر بن شمس الدین	ـ	میر داماد	اصفہان
۱۰۶۰	علی بن حجۃ اللہ	شرف الدین	طباطبائی	نجف
۱۰۶۶	حسین بن محمد	ـ	سلطان العلماء	اصفہان
۱۰۶۸	علی بن علی	نور الدین	موسوی عاملی	جبل عامل
۱۰۷۰	محمد تقی بن مقصود	ـ	مجلسی اول	اصفہان
۱۰۷۷	حسین بن حیدر	ابوعبداللہ	حسینی کرکی، مجتہد	اصفہان
۱۰۸۰	محمد بن حیدر	رفیع الدین	حسنی طباطبائی	اصفہان
۱۰۸۰	محمد بن محمد	ـ	قاضی سعید قمی	قم
۱۰۸۰	محمد صالح بن احمد	ـ	صالح مازندرانی	اصفہان
۱۰۹۰	محمد باقر بن محمد	ـ	محقق سبزواری	ـ
۱۰۹۱	علی رضا بن حبیب اللہ	ـ	موسوی عاملی	اصفہان
۱۰۱۶ـ۱۰۹۸	حسین بن محمد	ـ	محقق خوانساری	اصفہان
۱۰۹۸	محمد طاہر بن محمد حسین	ـ	فتی	قم
۱۰۱۴ـ۱۱۰۳	علی بن محمد بن حسن	ـ	عاملی جبعی	اصفہان
۱۰۳۷ـ۱۱۱۱	محمد باقر بن محمد تقی	ـ	علامہ مجلسی (دوم)	اصفہان
۱۱۱۵	جعفر بن عبداللہ	ـ	حویزی	اصفہان
۱۱۲۵	جمال الدین بن حسین	ـ	جمال خوانساری	اصفہان
۱۱۲۹	حسین بن حسن	ـ	دیلمانی	اصفہان
۱۱۳۰	زین الدین بن محمد	ـ	عاملی جبعی	اصفہان

تولدووفات	نام / ولدیت	کنیت	شہرت	محل سکونت
۱۱۳۷	محمد بن حسن	ـ	فاضل ہندی	اصفہان
۱۱۵۰	احمد بن اسماعیل	ـ	جزائری	نجف
۱۱۷۰	محمد بن باقر	ـ	رضوی قمی	اصفہان۔نجف
۱۱۷۳	اسماعیل بن محمد	ـ	مازندرانی	اصفہان
۱۱۸۶	ابوالحسن بن عبداللہ	ـ	موسوی جزائری	تستر
۱۱۹۷	محمد بن محمد	ـ	بیدآبادی	اصفہان
۱۲۰۸	محمد باقر بن محمد اکمل	ـ	وحید بہبہانی	نجف
۱۲۰۹	مہدی بن ابی ذر	ـ	نراقی	کاشان
۱۱۵۵۔۱۲۱۲	محمد مہدی بن مرتضیٰ	ـ	بحرالعلوم	نجف
۱۲۲۰	اسداللہ بن اسماعیل	ـ	تستری کاظمی	کاظمین
۱۲۲۸	جعفر بن خضر	ـ	کاشف الغطاء	نجف
۱۱۵۱۔۱۲۳۱	ابوالقاسم بن محمد حسن	ـ	میرزای قمی	قم
۱۲۳۱	علی اکبر بن محمد باقر	ـ	ایجی اصفہانی	اصفہان
۱۲۴۰	محسن بن حسن	ـ	محقق اعرجی	نجف
۱۲۴۲	محمد بن علی	ـ	طباطبائی، سید مجاہد	نجف،اصفہان
۱۲۴۴	احمد بن مہدی	ـ	نراقی مولی احمد	کاشان
۱۲۴۵	محمد شریف بن حسن علی	ـ	شریف العلماء	نجف
۱۲۴۶	ابراہیم بن محمد	ـ	موسوی قزوینی	نجف
۱۲۵۶	موسیٰ بن جعفر	ـ	کاشف الغطاء	نجف
۱۱۷۵۔۱۲۶۰	محمد باقر بن محمد تقی	ـ	شفتی، حجۃ الاسلام	اصفہان

تولد و وفات	نام اولدیت	کنیت	شہرت	محل سکونت
۱۲۶۲	محمد ابراہیم بن محمد	ـ	کلباسی	اصفہان
۱۲۶۲	حسن بن جعفر	ـ	صاحب انوار الفقاہۃ	نجف
۱۲۶۳	سید محمد بن صالح	ـ	سید صدر الدین عاملی	نجف
۱۲۶۳	جعفر بن سیف الدین	ـ	استرآبادی	تہران
۱۲۶۶	محمد حسن بن باقر	ـ	صاحب جواہر	نجف
۱۲۷۳	حسن بن علی	ـ	واعظ اصفہانی	اصفہان
۱۲۸۱	مرتضی بن محمد	ـ	شیخ انصاری	نجف
۱۲۸۶	عبدالحسین بن علی	ـ	شیخ العراقین	نجف
۱۲۸۹	سید محمد بن عبدالصمد	ـ	شہشہانی	اصفہان
۱۲۹۹	حسین بن محمد	ـ	کوہ کمرہ ای	نجف
۱۳۰۲	حسین بن محمد اسماعیل	ـ	اردکانی	کربلا
۱۳۰۶	محمد بن محمد باقر	ـ	فاضل ایروانی	نجف
۱۳۰۹	سید ابوالقاسم بن حسن	ـ	طباطبائی، حجت	کربلا
۱۲۳۰ـ۱۳۱۲	محمد حسن بن محمود	ـ	میرزای شیرازی	سامرا
۱۳۱۵	ابوالمعالی بن محمد ابراہیم	ـ	کرباسی	اصفہان
۱۲۴۵ـ۱۳۲۲	محمد بن فضل علی	ـ	فاضل شرابیانی	نجف
۱۳۲۳	محمد حسن بن عبداللہ	ـ	مامقانی	نجف
۱۳۲۵	سید ابوالقاسم بن معصوم	ـ	اشکوری	نجف
۱۳۲۹	محمد کاظم بن حسین	ـ	آخوند خراسانی	نجف
۱۳۳۲	محمد تقی بن محمد باقر	ـ	آقا نجفی اصفہانی	اصفہان

تولدووفات	نام / ولدیت	کنیت	شہرت	محل سکونت
۱۳۳۷	محمد کاظم بن عبدالعظیم	ـ	صاحب عروۃ	نجف
۱۳۳۸	محمد تقی بن محب علی	ـ	میرزای دوم۔شیرازی	نجف
۱۳۳۹	فتح اللہ بن محمد جواد	ـ	شریعتمدار	نجف
۱۳۴۰	احمد بن علی	ـ	نجفی	نجف
۱۳۴۱	محمد بن محمد تقی	ـ	ارباب	قم
۱۳۴۸	محمد صادق بن حسین	ـ	اصفہانی	اصفہان
۱۳۵۳	ابوالقاسم بن محمد تقی	ـ	کبیر	قم
۱۳۵۳	ابوالقاسم	ـ	دھکردی	اصفہان
۱۳۵۵	محمد حسین	ـ	نائینی	نجف
۱۳۵۵	عبدالکریم بن محمد جعفر	ـ	حائری،مؤسس حوزہ	قم
۱۲۸۲۔۱۳۷۵	ابوالحسن	ـ	انگجی	آذربائجان
۱۳۵۹	ضیاءالدین	ـ	عراقی	نجف
۱۲۹۶۔۱۳۶۱	محمد حسین بن محمد حسن	ـ	کمپانی	نجف
۱۲۲۷۔۱۳۶۲	رضا بن محمد حسین	ـ	مسجد شاہی	اصفہان
۱۳۶۵	سید ابوالحسن بن محمد	ـ	اصفہانی	نجف۔سامرا
۱۳۶۶	سید حسین	ـ	طباطبائی قمی	نجف
۱۳۷۱	محمد تقی بن اسداللہ	ـ	خوانساری	قم
۱۳۷۲	محمد بن علی	ـ	کوہ کمرہ ای، حجت	قم
۱۳۷۳	صدرالدین بن اسماعیل	ـ	صدر	قم
۱۳۷۹	سید حسین بن علی	ـ	حمامی	نجف

تولدووفات	نام / ولدیت	کنیت	شہرت	محل سکونت
۱۳۷۹	سید جمال الدین بن حسین	ـ	موسوی گلپایگانی	نجف
۱۳۸۱	سید محمد حسین بن علی	ـ	طباطبائی بروجردی	قم
۱۳۸۲	محمد حسین	ـ	آل کاشف الغطاء	نجف
۱۳۹۰	سید محسن بن مہدی	ـ	طباطبائی حکیم	نجف
۱۴۰۹_۱۳۲۰	سید روح اللہ بن مصطفی	ـ	موسوی خمینی	نجف۔قم
۱۴۱۳	سید ابوالقاسم بن علی	ـ	موسوی خوئی	نجف
۱۴۱۴	سید محمد رضا بن محمد باقر	ـ	موسوی گلپایگانی	قم
۱۴۱۵	محمد علی	ـ	اراکی	قم
۱۴۱۱_۱۳۱۵	شہاب الدین	ـ	مرعشی نجفی	قم
۱۴۱۴_۱۳۱۶	محمد رضا	ـ	گلپایگانی	قم
۱۴۲۷_۱۳۴۵	میرزا جواد	ـ	تبریزی	قم
۱۴۲۸_۱۳۵۰	محمد فاضل	ـ	لنکرانی	قم
۱۴۳۰_۱۳۳۴	محمد تقی	ـ	بہجت	قم

قدیم علماء کے رسالے یا عملیے

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ علماء قدیم کی کوئی فقہی کتاب (رسالہ عملیہ) نہیں تھی بلکہ یہ چالیس پچاس سال پہلے کی ایجاد ہے۔لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے، کیونکہ علماء قدیم کی رسالات عملیہ تھیں اگرچہ توضیح المسائل کے نام سے نہ ہوں۔ یہاں ہم قدیم علماء کی فقہی کتب کے بارے میں بیان کریں گے تاکہ دشمن، اجتہاد وتقلید کے خلاف یہ پروپیگنڈہ نہ کرے کہ سابق علماء کی تو کوئی فقہی کتاب نہیں تھی اور تقلید واجتہاد اور توضیح المسائل بعد کی ایجادات ہیں۔

شیخ صدوق سے پہلے کے علماء کی فقہی کتابیں دشمنان اہل بیتؑ کی ناپاک کاروائیوں، دریابرد کرنے اور کتابخانے جلانے کی وجہ سے اس وقت دستیاب نہیں ہیں لیکن ان کے نام رجال کی کتابوں میں موجود ہے۔

فہرست کتب علماء

۱۔علامہ حلی کی کتاب مختلف الشیعہ میں علی بن بابویہ قمی (متوفی ۳۲۹) اور حسن بن ابی عقیل کے فتاوای کا تذکرہ موجود ہے۔ان دو بزرگوں کے فتاوای کو حضرت آیۃ اللہ شیخ علی پناہ اشتہاردی نے ترتیب دیا اور ''رسالتان مجموعتان'' کے نام سے ۱۴۰۹ھ میں چھپ چکی ہیں۔حسن بن ابی عقیل کی کتاب کا نام ''المتمسك بحبل آل الرسول'' تھا۔

۲۔شیخ صدوق: ان کی دو رسالہ عملیہ تھیں، ۱۔المقنع۔ ۲۔الهداية

۳۔ابن جنید اسکافی: ان کی فقہی کتاب کا نام ''تہذیب الشیعہ لاحکام الشریعة'' تھا۔

۴۔شیخ مفید: ان کی فقہی کتاب کا نام ''مقنعة'' تھا۔ان سے کئے گئے سوالات کے جوابات مختلف رسالوں میں تحریر کئے گئے ہیں جیسے صاغانیة، دینوریة، جوابات ابی جعفر قمی، مسائل الحرانیة، مسائل الحرجانیة،مسائل المازندرانیة، مسائل المنثورة،مسائل النیشابوریة۔

۵۔سید مرتضیٰ: ان کی فقہی کتابوں کے نام یہ ہیں: جمل العلم والعمل،ناصریات، انتصار۔ان سے کئے گئے استفتائات کے جوابات جن رسالوں میں درج ہیں ان کے نام یہ ہیں: محمدیات،بادرائیات،موصلیات،حلبیہ، طرابلسیات، طوسیة،دیلمیة،جرجانیة،رازیة،طبریة،میانارقیات،رسیة و.....

۶۔شیخ طوسی: ان کی فقہی کتابوں کے نام یہ ہیں: مبسوط، خلاف،نہایة،الجمل والعقود،اقتصاد،الایجاز والفرائض۔ان سے کئے گئے استفتائات کے جوابات جن رسالوں میں درج ہیں ان کے نام یہ ہیں:مسائل الحائریة، مسائل الجنبلائیة،مسائل الدمشقیة،مسائل الحلبیة۔

۷۔ابوصلاح حلبی: ان کی فقہی کتاب کا نام ''کافی'' ہے۔

۸۔سلاّر: ان کی فقہی کتاب کا نام ''مراسم العلویة'' ہے۔

۹:ابویعلی: یہ شیخ مفید کے جانشین تھے اور بہت سارے رسالوں کے مالک تھے جن میں ان سے موصل،صیدا،طرابلس اور حائر کے لوگوں کی جانب سے کئے گئے استفتائات کے جوابات تھے۔

۱۰۔ابن برّاج: ان کی فقہی کتابوں کے نام یہ ہیں: جواھر الفقہ، مھذب۔

۱۱۔راوندی: ان کی فقہی کتاب کا نام ''فقہ القرآن'' ہے۔

۱۲۔ابن زہرہ: ان کی فقہی کتاب کا نام ''غنیۃ النزوع'' ہے۔

۱۳۔ابن حمزہ: ان کی فقہی کتاب کا نام ''وسیلہ'' ہے۔

۱۴۔سلیمان بن حسن: ان کی فقہی کتاب کا نام ''اصباح الشیعہ'' ہے۔

۱۵۔ابن ادریس: ان کی فقہی کتاب کا نام ''سرائر'' ہے۔

۱۶۔علی بن ابی الفضل: ان کی فقہی کتاب کا نام ''اشارۃ السبق'' ہے۔

۱۷۔محقق حلی: ان کی فقہی کتابوں کے نام یہ ہیں: شرائع الاسلام، مختصر النافع، معتبر، نکت النھایۃ و.....

پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسالہ عملیہ اب سے کچھ عرصہ پہلے کی ایجاد نہیں ہے بلکہ زمانہ غیبت امامؑ سے ہی اس کی ضرورت محسوس کی گئی تھی لہٰذا مجتہدین عظام نے لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے رسالہ عملیہ ان کے حوالہ کیا تا کہ وہ ان کے ذریعے اپنی شرعی مشکلات کو دور کریں۔اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس دور کے مؤمنین بھی اپنے لئے پیش آنے والے جدید مسائل میں اپنے زمانے کے فقیہ کی طرف مراجعہ کرتے تھے اور فقہاء ان کے استفتائات کے جوابات تحریر کرتے تھے۔

فتاویٰ کے مختلف ہونے کے اسباب

یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب خدا، رسولؐ اور ائمہ معصومینؑ کی باتوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ مجتہد خدا، رسولؐ اور ائمہ معصومینؑ کے احکامات بتاتے ہیں تو ان کے فتووں میں اتنا اختلاف کیوں ہوتا ہے؟۔ لہٰذا ہمیں خود قرآن وسنت سے احکام استنباط کرنے چاہیں۔

تقلید کے مخالفین کی یہ تجویز کہ ہمیں خود قرآن وسنت سے احکام استنباط کرنے چاہیں، کسی بھی طرح قابل عمل نہیں ہے کیونکہ یہ تجویز پیش کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ فتاویٰ میں اختلاف ہے لہٰذا ہر کوئی خود سے احکام حاصل کر کے ان پر عمل کرے، اگر ان کی تجویز پر عمل کیا گیا تو صورتحال اس سے بدتر ہو جائیگی کیونکہ جب استنباط کی ذمہ داری عوام کے سپرد کر دی جائے تو نہ صرف ان کا مقصد (فتاویٰ کے درمیان اختلاف ختم کرنا) حاصل نہیں ہوگا بلکہ ہر فرد کا دوسرے فرد سے اختلاف ہو جائے گا۔ جب اتنے بڑے فقیہ اور مجتہدین کی اتنی استطاعت علمی کے باوجود اختلاف رہا تو عوام کے ہاتھ میں یہ ذمہ داری آنے کے بعد شریعت کا کیا حال ہوگا ہر صاحب عقل اور باشعور انسان سوچ سکتا ہے۔

ہر شعبہ زندگی کے ماہرین کے درمیان نظریات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ تمام سائنس دان، انجنیئرز اور ڈاکٹروں کا اپنے اپنے شعبے میں ایک ہی نظریہ ہوتا ہو۔ سائنس دان مختلف چیزوں پر تحقیق کرتے ہیں، لیکن ایک سائنس دان کا نظریہ دوسرے سائنس دان سے مختلف ہوتا ہے، کسی مرض کے حوالے سے طبی ماہرین میں اختلاف رائے ہو جاتا ہے، صرف علوم اسلامی کے ماہرین پر ہی یہ اعتراض کیوں

ہوتا ہے کہ ان کی رائے ایک کیوں نہیں ہوتی۔

اصل میں اس اختلاف کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہر انسان کا طرز تفکر اور ذوق مختلف ہوتا ہے اور وہ اپنے ذوق اور طرز تفکر سے سوچتا ہے، مختلف چیزوں کو مدنظر رکھ کر کوئی ماہر کسی چیز کے بارے میں مطالعہ اور تحقیق کرتا ہے مثلاً شواہد اور قرائن وغیرہ۔

فقہاء اور مجتہدین کے درمیان اختلاف رائے کا سبب بھی علمی اور تحقیقی ہے، پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ کوئی بھی فقیہ اپنی نفسانی خواہشات کو مدنظر رکھ کر استنباط نہیں کرتا اور اگر کوئی ایسا مجتہد پایا گیا جو خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے ہوئے استنباط کرتا ہے تو عوام کو معصومینؑ کی جانب سے یہ حکم ملا ہے کہ وہ اس کی تقلید نہ کریں۔

ہر شعبہ زندگی کے ماہرین میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن مجتہدین کے درمیان اختلاف رائے کی بنیادی وجہ روایات معصومینؑ کا مختلف ہونا ہے۔ رسول خداؐ اور ائمہ معصومینؑ کے زمانے میں ہی ان کی طرف ان کہی حدیثوں کی نسبت دی جانے لگی اور ان کی زندگی کے بعد تو اس عمل میں تیزی آ گئی اور جھوٹی حدیثوں میں مسلسل اضافہ ہونے لگا یا اس قسم کی دوسری وجوہات بھی ہیں۔ ہم ان میں سے بنیادی وجوہات کو پیش کرتے ہیں۔

پہلا سبب:

جھوٹی رویات کا گھڑا جانا: جھوٹی رویات کا پایا جانا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، اس کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ رسول خداؐ اور ائمہ معصومینؑ کے دور میں ہی لوگوں نے جھوٹی حدیثیں گھڑنا شروع کر دی تھی۔ اس کی وجہ کبھی ذاتی مقاصد ہوتے تھے اور کبھی حاکم وقت کو خوش کرنا ہوتا تھا اور کبھی بزعم خود کسی بندہ مومن کو فائدہ پہنچانا ہوتا تھا۔ علماء ایک ایسے شخص کا واقعہ نقل کرتے ہیں جو کسی زمانے میں خوارج کا سردار تھا، بعد میں اسے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی تو اس وقت اس نے یہ نصیحت کی کہ

حدیث حاصل کرتے وقت اس کے رواۃ کی تحقیق کرلیا کرو کیونکہ ہم لوگ جب کسی بات کو پھیلانا چاہتے تھے تو اس کو حدیث بنالیا کرتے تھے۔

ابو ہریرہ نے بکہ کے رہنے والے کسی شخص کی پیاز بکوانے کے لئے ایک حدیث گھڑی کہ: جو بھی بکہ کی پیاز مکہ میں کھائے اس پر جنت واجب ہوگی۔ بعد میں جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ اس بندہ مومن کو فائدہ پہنچانے کے لئے یہ حدیث بیان کی تھی۔

بعض افراد حاکم وقت کو خوش کرنے کے لئے حاکم کے مورد نظر اشخاص کی فضیلت میں احادیث گھڑتے تھے تاکہ حاکم سے انعام واکرام حاصل کرسکیں۔ معاویہ کے دور میں جو شخص گھڑی ہوئی احادیث بیان کرتا تھا اس کی بہت ہی عزت وتکریم ہوا کرتی تھی کیونکہ ان احادیث میں خلفائے ثلاثہ اور بنی امیہ کی فضیلت بیان ہوتی تھی اور علیؑ اور اولاد علیؑ کی مذمت کی جاتی تھی۔

زنادقہ نے چودہ ہزار احادیث گھڑی ہیں، جب ان میں سے ایک شخص عبد الکریم ابن ابی العوجاء کو خلیفہ مہدی کے زمانے میں سولی پر چڑھایا گیا تو اس وقت اس نے کہا: میں نے چار ہزار حدیثیں گھڑی ہیں جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنایا ہے۔

اب اگر یہ ساری احادیث ایسے اخباری کے سامنے ہوں جو صرف اخبار وروایات پر عمل کرتا ہے لیکن علم رجال اور اصولی قواعد کے مطابق ان میں تحقیق نہیں کرتا تو وہ کس طرح حقیقی حدیث اور گھڑی ہوئی حدیث میں فرق ڈال سکے گا۔

دوسرا سبب:

اختلاف احوال: سوال پوچھنے والوں کے حالات مختلف ہوا کرتے تھے اس وجہ سے ائمہ معصومینؑ بھی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دیتے تھے۔ کبھی

دو آدمی ایک ہی سوال لے کر الگ الگ وقت میں آتے تھے لیکن ان کے حالات مختلف ہوتے تھے اور جواب دیتے وقت امامؑ کی خدمت میں اصحاب بھی ہوتے تھے لیکن دوسرے کو جواب دیتے وقت یہ ضروری نہیں کہ وہی پرانے اصحاب ہوں بلکہ نئے لوگ بھی ہوتے تھے اس لئے پہلے شخص کو جواب دیتے وقت جو لوگ موجود تھے وہ پہلا جواب نقل کرتے تھے اور دوسرے آدمی کو جواب دیتے وقت جو لوگ موجود تھے وہ لوگ دوسرا جواب نقل کرتے تھے جیسا کہ شیخ انصاریؒ نے رسائل میں تعارض ادلہ کے مقام پر اس واقعہ کو نقل کیا ہے کہ امام معصومؑ نے دو الگ الگ آدمیوں کو خرگوش کے گوشت کے بارے میں مختلف حکم دیا، ایک سے کہا کہ خرگوش کا گوشت کھانا جائز ہے کیونکہ امامؑ کو معلوم تھا کہ وہ فلاں علاقے کا رہنے والا ہے جہاں خرگوش کا گوشت نہ کھانا شیعوں کی پہچان بن چکا تھا اور اگر کوئی نہ کھائے تو اسے شیعہ ہونے کے جرم میں قتل کر دیا جاتا تھا اور دوسرے سے کہا کہ خرگوش کا گوشت کھانا حرام ہے کیونکہ امامؑ کو معلوم تھا کہ یہ شخص مومنوں کے علاقے میں رہتا ہے لہٰذا اسے حکم اصلی بتا دیا۔ اس کے علاوہ علی ابن یقطین کا واقعہ بھی ہمارے سامنے ہے جہاں امامؑ نے ایک دفعہ اسے اہل سنت کے طریقے کے مطابق وضو کا حکم دیا لیکن بعد میں جب خطرہ ٹل گیا تو اصلی حکم بتا دیا۔

تیسرا سبب:

احادیث کے راویوں کا سہو و نسیان: ہمارے نزدیک رسول خداؐ اور ائمہ معصومینؑ سہو و نسیان سے کوسوں دور اور ہر قسم کے خطا و نسیان سے معصوم ہیں لیکن باقی تمام انسانوں کے اندر سہو و نسیان پایا جاتا ہے، احادیث کے رواۃ میں بھی سہو و نسیان ہوتا تھا اس لئے روایات میں بھی سہو و نسیان کا ہونا ممکن ہے۔ اسی لئے خبر واحد پر عمل کرتے ہوئے علماء احتیاط برتتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اگر حدیث، قرآنی قواعد کے مطابق ہے تو

اس پر عمل کرتے ہیں اور اگر قرآنی قواعد کے برخلاف ہے تو اس پر عمل نہیں کرتے کیونکہ بہت سارے احتمالات ہوتے ہیں ممکن ہے کہ حدیث معصومؑ سے صادر نہ ہوئی ہو اور ممکن ہے کہ صادر تو ہوئی ہو لیکن راوی نے سہو نسیان کی وجہ سے حدیث کو بدل دی ہو۔

پیغمبرؐ کے کچھ اصحاب کے حوالے سے قرآن مجید میں موجود ہے جو آپؐ کی بات کو غور سے سنتے تھے اور جب رسول خداؐ کی خدمت سے باہر آتے تھے تو صاحبان علم سے پوچھتے تھے: مَاذَا قَالَ اٰنِفًا، رسول خداؐ نے ابھی کیا کہا تھا۔(۱) اس قسم کے کمزور حافظہ کے لوگ بھی احادیث وروایات کو نقل کرتے تھے اور نقل شدہ حدیث کا مطلب راوی کے سہو ونسیان کی وجہ سے بدل جاتا تھا۔

چوتھا سبب:

کثرت وسائط: عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جب ایک خبر مختلف لوگوں سے ہوتی ہوئی کسی تک پہنچتی ہے تو اس خبر میں بہت تبدیلی واقع ہو چکی ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم تک جو احادیث نقل ہوتی ہیں وہ مختلف راویوں سے ہوتے ہوئے ہم تک پہنچی ہیں، اس وجہ سے بھی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے اور مجتہدین کے پاس اگر دو حدیثیں ہوں جو ایک ہی موضوع پر دو مختلف حکم کی حامل ہوں اور باقی تمام خصوصیات میں یکساں ہوں تو مجتہدین ایسی روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس کے وسائط کم ہوں کیونکہ کثرت وسائط سے مطلب اصلی میں تحریف ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

پانچواں سبب:

ضعف روایات: واسطوں کی کثرت کی وجہ سے درمیان میں ایسے رواۃ

.....

۱۔ سورہ محمد آیت ۱۶

بھی آتے ہیں جو غیر معتبر اور ضعیف ہوتے ہیں۔ فقہاء ایسی حدیثوں پر عمل کرتے ہیں جس کے تمام راوی شیعہ اثنا عشری ہوں۔ جب ایک ہی موضوع کے بارے میں دو حدیثیں آجاتی ہیں جن کے راویوں میں سے کوئی ایک راوی ضعیف ہوتا ہے جبکہ دوسری روایت کے تمام راوی شیعہ اور عادل ہوتے ہیں تو علماء اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس کے تمام راوی عادل اور ثقہ ہوں۔

چھٹا سبب:

نقل بالمعنٰی: حدیث کے ابتدائی دور میں اصحاب رسول کے درمیان رسول اللہ ؐ کی حدیث کو بعینہ نقل کرنے کا رواج نہیں تھا بلکہ رسول اللہ ؐ سے حدیث سننے کے بعد اس کے مطلب کو اپنے الفاظ میں دوسروں تک پہنچاتے تھے، اسے نقل بالمعنی کہتے ہیں۔ نقل بالمعنی کی وجہ سے الفاظ اور تعبیرات مختلف ہوتی تھیں اور کلام عرب میں ہر لفظ کے الگ الگ معانی ہوتے ہیں لہٰذا اس وجہ سے حدیث میں اختلاف واقع ہوتا تھا۔ البتہ بعد میں ائمہ معصومینؑ کے دور میں نقل بالمعنی کم ہوگیا اور حدیث کو انہی الفاظ کے ساتھ نقل کرنے کا رجحان بڑھ گیا جن الفاظ میں معصومؑ نے حدیث کو بیان کیا تھا۔ نقل بالمعنی کی وجہ سے بھی فقہاء کو احادیث و روایات معصومینؑ سے حکم کو استنباط کرنے میں مشکل پیش آتی ہے لہٰذا اختلاف کا ایک سبب نقل بالمعنی ہے۔

ساتواں سبب:

تعارض بین الروایتین: روایات کا آپس میں حکم کے لحاظ سے ٹکرانا بھی مجتہدین کے حکم میں اختلاف کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے علماء نے اصول کی کتابوں میں تعارض و تراجیح کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور اس پر بحث کرنے کے

لئے الگ باب کا انعقاد کیا ہے۔ تعارض ادلہ سے ہی مجتہدین کی مشکلات شروع ہوجاتی ہیں اور فقہاء کا امتحان یہیں سے شروع ہوتا ہے کہ اس کے اندر کس قدر استنباط کی قدرت ہے۔ پہلے فقیہ کوشش کرتا ہے کہ ان دو روایتوں کو جمع کرے اسی لئے یہ قانون مشہور ہے کہ: اَلْجَمْعُ مَهْمَا اَمْكَنَ اَوْلٰى مِنَ الطَّرْح، جب تک دو روایتوں کو جمع کرنا ممکن ہے ان کو جمع کرنا بہتر ہے ایک رویات کو بالکل ہی ترک کرنے سے، یعنی جب ایک روایت کے مفہوم کے مطابق فتوی دیا جائے تو ظاہر ہے دوسری روایت پر سرے سے ہی عمل نہیں ہوگا، اس لئے فقہاء قاعدہ جمع کے ذریعہ کوشش کرتے ہیں کہ دونوں روایات پر عمل ہوسکے، البتہ یہ بات تو واضح ہے کہ دونوں روایات میں حجت ہونے کی تمام شرائط موجود ہونی چاہیں۔

تعارض ادلہ کی صورتیں مختلف ہیں کبھی دو واجب کے درمیان ٹکراؤ ہوتا ہے کبھی واجب اور حرام کے درمیان اور کبھی واجب اور مستحب کے درمیان اور کبھی دو مستحب کے درمیان تعارض واقع ہوتا ہے۔ اگر دو واجب یا دو مستحب کے درمیان تعارض ہو تو مطلق کو مقید پر اور عام کو خاص پر حمل کیا جائے گا مثلا ایک روایت میں ہے کہ شب قدر میں غسل کرنا مستحب ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ شب قدر میں غروب آفتاب کے وقت غسل کرنا مستحب ہے، یہاں پر پہلی روایت مطلق ہے صرف غسل کے مستحب ہونے کو بیان کررہی ہے لیکن دوسری روایت میں غسل کے مستحب ہونے کے ساتھ غروب آفتاب کی بھی قید ہے لہٰذا اگر مطلق کو مقید پر حمل کرکے مجتہد یہ فتوی دے کہ غروب آفتاب کے وقت غسل کرنا مستحب ہے تو دونوں روایتوں پر عمل ہوگا۔

لیکن مشکل مرحلہ واجب اور حرام میں تعارض کی صورت میں پیش آتا ہے اور اس کی وجہ سے فتاویٰ میں اختلاف بھی ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں ایک روایت پر عمل ہوگا اور دوسری روایت کو ترک کرنا پڑے گا۔

آٹھواں سبب:

علت حکم کا مختلف ہونا: اکثر اوقات حکم میں اختلاف، علت حکم کے مختلف ہونے کی وجہ سے بھی ہوتا ہے، جب معصوم کچھ افراد کے سامنے کسی مسئلہ شرعی کا حکم بتاتے تھے تو حاضرین میں سے ہر کوئی اس حکم کے لئے اپنے ذہن میں ایک علت بناتا تھا اور اسی علت کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس روایت کو دوسروں کے لئے نقل کرتا تھا جس کی وجہ سے اسی ایک روایت میں فرق نظر آجاتا ہے۔

روایت میں ہے کہ رسول خداؐ تشریف فرما تھے کہ ایک کافر کا جنازہ قریب سے گزرا اور آپ کھڑے ہو گئے۔ علماء فرماتے ہیں کہ رسولؐ کافر کے جنازے کے احترام میں تو کھڑے نہیں ہوئے کیونکہ کافر کا کوئی احترام ہی نہیں ہے لیکن اس جنازے کے ساتھ موجود ملائکہ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے تھے، پس فقہاء یہاں یہ استنباط کرتے ہیں کہ اگر کسی مومن کا جنازہ گزرے تو اس صورت میں بطریق اولیٰ کھڑا ہونا چاہیے کیونکہ ملائکہ مومن کے جنازے کے ساتھ بھی ہوتے ہیں، لیکن کچھ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خداؐ اس لئے کھڑے ہوئے تھے کہ کافر کا جنازہ مسلمانوں کے سر سے اونچا نہ ہو جائے کیونکہ اس میں توہین کا پہلو موجود ہے، اس صورت میں فقہاء یہ استنباط کرتے ہیں کہ اگر کسی مومن کا جنازہ گزرے تو کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہاں پر توہین کا کوئی پہلو موجود نہیں ہے۔

نواں سبب:

فہم روایت میں اختلاف: لغت عرب میں ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہیں اس لئے کبھی کبھی حدیث کے الفاظ کے معانی سمجھنے میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے اور اس کا اثر

حکم اور فتویٰ میں ظاہر ہوتا ہے، البتہ فقہاء من پسند معانی کو اختیار نہیں کرتے بلکہ تحقیق کے بعد جب کسی معنی پر دلیل پاتے ہیں تب اسے اختیار کرتے ہیں مثلاً نماز جمعہ کے بارے میں امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: لَا جُمُعَةَ اِلَّا مَعَ اِمَامٍ عَدْلٍ تَقِيٍّ، جمعہ نہیں ہوسکتا جب تک عادل اور متقی امام نہ ہو۔(۱) یہاں پر لفظ امام میں فقہاء اختلاف کرتے ہیں کہ امام سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہاں امام سے مراد امام معصومؑ ہے لہٰذا امام زمانؑ کی غیبت کے زمانے میں جمعہ نہیں ہوسکتا، اس سے بعض نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ زمان غیبت میں نماز جمعہ واجب نہیں ہے اور بعض نے جیسے سید مرتضیٰ، اس سے یہ مراد لیا کہ نماز جمعہ امام معصومؑ کے بغیر پڑھنا حرام ہے، ان دونوں گروہوں کے نزدیک امام سے مراد امام زمانہؑ ہے جبکہ بعض فقہاء نے امام سے مراد امام جماعت لیا یعنی نماز جمعہ صرف جماعت کے ساتھ ادا کی جاسکتی ہے فرادی (تنہا) ادا نہیں کی جاسکتی اور اس امام جماعت کے لئے شرط ہے کہ وہ عادل اور متقی ہو، ان فقہاء کے نزدیک نماز جمعہ واجب رہے گی۔ اس قسم کی اور بہت ساری احادیث موجود ہیں جن کے معانی میں فقہاء کا اختلاف موجود ہے۔

دسواں سبب:

استعمال الفاظ: رسول خداؐ اور ائمہ معصومینؑ کے کلام میں کبھی کبھار الفاظ ان کے معانی لغویہ کے مطابق استعمال ہوتے تھے اور کبھی کبھار الفاظ ان کے معانی اصطلاحی کے مطابق استعمال ہوتے تھے۔ جب لفظ کو معنی اصطلاحی میں استعمال نہ کیا گیا ہو اور اس لفظ سے مراد اس کا معنی لغوی لیا گیا ہو تو اس وجہ سے فقہاء کو یہ سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے کہ فلاں حدیث میں اس لفظ سے مراد اس کے معنیٔ لغوی ہیں یا معنیٔ

۱۔ دعائم الاسلام ج ۱ ص ۱۸۲، مستدرک الوسائل ج ۶ ص ۴۰

اصطلاحی، اس وجہ سے علماء کے نظریات میں اختلاف واقع ہوجاتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ مقام فتوی میں ظاہر ہوتا ہے اور فتاویٰ میں اختلاف ہوجاتا ہے۔

گیارھواں سبب:

موضوع کا بدل جانا: رسول خداؐ اور ائمہ معصومینؑ نے حکم شرعی بتاتے ہوئے حکم کو ایک خاص موضوع کے ساتھ موازنہ کیا ہو جو اس دور میں موجود تھا لیکن بعد میں وہ خاص موضوع ہی باقی نہ رہا ہو جس کو دیکھتے ہوئے یہ حکم لگایا گیا تھا، جیسے نماز پڑھنے کے لئے بدن اور لباس کا نجاست سے پاک ہونا ضروری ہے اور نجاسات میں سے ایک خون بھی ہے، لیکن شریعت اسلامی نے نماز گزار کے لئے اس میں تھوڑی سی آسانی رکھی اور کہا کہ اگر بدن یا لباس پر خون درہم بغلی سے کم ہو تو اس کے ساتھ نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ یہ حکم اس زمانے کے حساب سے تھا جب درہم کے سکے استعمال ہوتے تھے اور اس وقت کے تمام لوگوں کو درہم بغلی کے بارے میں معلوم تھا کہ اس کا حجم کتنا ہوتا ہے لیکن بعد کے زمانے میں درہم کا وجود نہیں رہا۔ اس وجہ سے فقہاء کے درمیان اختلاف ہوگیا کہ درہم بغلی کی مقدار کیا ہے۔ اس کے بارے میں مختلف نظریات ہیں کچھ فقہاء کا نظریہ یہ ہے کہ درہم بغلی کی مقدار انگوٹھے کے پور کے برابر ہے، کچھ کا نظریہ ہے کہ ہتھیلی کے گڑھے کے برابر ہے، کچھ کا نظریہ ہے کہ شہادت کی انگلی کے پور کے برابر ہے اور کچھ کا یہ نظریہ ہے کہ درمیانی انگلی کے پور کے برابر ہے۔ درہم کے مقدار میں اختلاف کی وجہ سے فتوی میں بھی اختلاف ہوجاتا ہے۔

بارھواں سبب:

سیاق وسباق کا معلوم نہ ہونا: جب کوئی شخص رسول خداؐ اور ائمہ معصومین

سے سوال پوچھتا تھا تو یہ ہستیاں اس سوال کے پس منظر کو دیکھتے ہوئے اس کا جواب دیتی تھیں لیکن فقہاء کے پاس احادیث اور روایات تو پہنچ گئیں لیکن وہ پس منظر نہیں پہنچا جس کو ملاحظہ کرتے ہوئے حکم شرعی بتایا گیا تھا، پرانے مجتہدین اس پس منظر کو جانتے تھے کیونکہ ان کا زمانہ معصومینؑ کے زمانے کے قریب تھا لہٰذا انہوں نے اسی کے مطابق فتوی دیا لیکن آج کل کے فقہاء اس پس منظر سے آگاہ نہیں ہیں اس لئے اس پس منظر کو ملاحظہ کئے بغیر وہ جواب دیتے ہیں۔ پس اگر پہلے زمانے کے فقہاء اور آج کل کے فقہاء کے فتاویٰ مختلف ہیں تو اس پس منظر کی وجہ سے ہے جس کو مدنظر رکھتے ہوئے معصومؑ نے حکم شرعی بتایا تھا۔

تیرہواں سبب:

تقیہ: ائمہ معصومینؑ کی بہت سی روایات ایسی ہیں جو آپؑ نے حالتِ تقیہ کے تناظر میں بیان کی ہیں اور ظاہر ہے جب تقیہ ہوگا تو فقہ اہل بیتؑ کے مطابق نہیں ہوگا بلکہ دوسرے چار مذاہب میں سے کسی ایک کے ساتھ ہم آہنگ ہوگا لیکن جب تقیہ کی حالت نہیں رہی تو حکم واقعی بتا دیا۔ اب فقہاء کے پاس دونوں روایتیں سامنے ہوتی ہیں، انہیں اس بات کا تو علم نہیں ہے کہ کس حکم کو بیان کرتے وقت معصومؑ حالت تقیہ میں تھے اور کس حکم کو بیان کرتے ہوئے حالت تقیہ میں نہیں تھے۔ جس فقیہ کے پاس اس حکم کو بیان کرتے وقت معصومؑ کا حالت تقیہ میں ہونا ثابت ہو جائے اس کا فتوی مختلف ہوگا لیکن جس فقیہ کے پاس اس حکم کو بیان کرتے وقت معصومؑ کا حالت تقیہ میں ہونا ثابت نہ ہو اس کا فتوی مختلف ہوگا۔

چودھواں سبب:

کتب احادیث کا ضائع ہو جانا: بدقسمتی سے مکتب تشیع کی بہت ساری قیمتی کتابیں ضائع ہو گئیں جس کی وجہ سے ائمہ معصومینؑ کے کلمات کا ایک عظیم سرمایہ ہم

تک نہیں پہنچ سکا، جس وقت بغداد کو فتح کیا گیا ہمارے کتاب خانوں کو ویران کر دیا گیا اور ساری کتابیں دریا برد کی گئیں یہاں تک کہ دریا کے پانی کا رنگ تبدیل ہو گیا۔

اس وقت ہمارے پاس احادیث کی کتب میں سے چار بڑی کتابیں ہیں:

(۱) اصول کافی (۲) تہذیب الاحکام (۳) استبصار (۴) من لایحضرہ الفقیہ

پہلے زمانے میں یعنی شیخ صدوق کے زمانے میں پانچ بڑی کتابیں ہوا کرتی تھیں، چار موجودہ کتابیں اور پانچویں مدینۃ العلم جو بارہ جلدوں پر مشتمل تھی اور حدیثوں کی سب سے بڑی کتاب تھی جو اب موجود نہیں ہے۔ اسی طرح بہت ساری قیمتی کتابیں جو پہلے زمانے کے فقہاء کے پاس تھیں لیکن آج کے فقہاء تک وہ کتابیں نہیں پہنچیں، لہٰذا جن فقہاء کے پاس وہ کتابیں تھیں جن میں بے شمار احادیث تھیں انہوں نے انہی کے مطابق فتوی دیا لیکن آج کے فقہاء کے پاس وہ کتابیں نہیں ہیں جن میں وہ بے شمار احادیث درج تھیں لہٰذا انہوں نے موجودہ کتابوں میں موجود احادیث کے مطابق احکام شرعی کو استنباط کیا، اس وجہ سے موجودہ فقہاء اور قدیم فقہاء میں فتاویٰ کا اختلاف موجود ہے۔

پندرہواں سبب:

راویوں کے نام مشترک ہونا: فقہاء کے فتاویٰ میں اختلاف ہونے کا ایک بنیادی سبب روایات کو نقل کرنے والے راویوں کے اسماء کا مشترک ہونا ہے، ایک ہی نام کے دو راوی نظر آتے ہیں لیکن ان میں سے ایک قابل اعتماد ہے جبکہ دوسرا قابل اعتماد نہیں ہے۔ اب جب ایک روایت سامنے آتی ہے تو فقہاء اس حدیث کے راویوں کے بارے میں علم رجال کے ذریعے تحقیق کرتے ہیں، لیکن ایک فقیہ کے نزدیک اپنی تحقیق کے ذریعہ راوی قابل اعتماد ثابت ہوتا ہے لیکن دوسرے کے نزدیک اس کا قابل

اعتماد ہونا ثابت نہیں ہوتا جس کی وجہ سے فتوی میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

سولہواں سبب:

حروف میں نقطوں کا نہ لکھنا: شروع کا ایک دور ایسا تھا جب حروف میں نقطے نہیں لگائے جاتے تھے لیکن ایک ایسا وقت بھی آیا جب حروف میں نقطے لگانا شروع کیا گیا تو اس وقت اختلاف ہونے لگا کہ اس حرف کے اوپر نقطے لگائے جائیں یا نیچے، کیونکہ ایسے بھی حروف ہیں جن کے اوپر نقطے لگائے جائیں تو اس کا مطلب کچھ نکلتا ہے لیکن اگر اس کے نیچے نقطے لگائے جائیں تو مطلب دوسرا نکلتا ہے، دونوں صورتوں میں لفظ مہمل نہیں ہوتا تھا اس لئے روایت کو نقل کرنے والوں میں سے کچھ نے اوپر نقطے لگا کر نقل کیا اور کچھ نے نیچے نقطے لگا کر نقل کیا۔ اس وجہ سے بھی فقہاء کے فتاویٰ میں اختلاف ہونے لگا خصوصاً یہ اختلاف متقدمین اور متأخرین میں زیادہ رہا۔

سترہواں سبب:

ایک لفظ کے کئی معنی ہونا: لغت عرب ایک ایسی لغت ہے جس میں ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہیں، لیکن ایک لفظ کے کچھ معانی ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک کے حکم شرعی ہونے کا احتمال ہوتا ہے، مجتہد اپنی حد تک بہت کوشش کرتا ہے، اس سے متعلق دوسری روایات کو بھی سامنے رکھتا ہے تب جا کر کوئی حکم شرعی اخذ کرتا ہے لیکن اس کے باوجود فقہاء کے درمیان کثرت معانی کی وجہ سے بھی فتاویٰ میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

پس مجتہدین کے فتاویٰ کے درمیان اختلاف ہونے کی یہ وجوہات ہیں البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ مجتہد حتی الامکان کوشش کرتا ہے، اپنی ساری توانائیاں خرچ کرتا ہے تب جا کر کسی حکم کو استنباط کرتا ہے، اپنی مرضی سے کسی من پسند معنی کو اختیار نہیں کرتا۔

اختتامیہ

اجتہاد اور تقلید پر قرآن وسنت اور روش عقلاء کی محکم دلیلوں کے باوجود اگر کوئی شخص پھر بھی ہٹ دھرمی کرتا ہے تو ایسے آدمی کا کوئی علاج نہیں ہے۔ ایسے لوگ دلیل کے باوجود دوسرے کی بات کو سننے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ راہ راست اور کامیابی کی ضمانت تو اس روش میں مضمر ہے کہ دلیل اور منطق کے ذریعہ بات کو سمجھنے کے بعد باطل نظریے کو ترک کر دیں اور حق کی پیروی شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی تعریف کرتا ہے جو دلیل اور منطق کو سمجھ کر راہ باطل کو ترک کر دیتے ہیں: وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝، اور جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان کے لیے خوشخبری ہے، پس آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجیے، جو بات کو سنا کرتے ہیں اور اس میں سے بہتر کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی صاحبان عقل ہیں۔(۱)

حق و باطل کا معرکہ ابتدائے خلقت انسان سے موجود رہا ہے اور یہ معرکہ تا قیامت جاری رہے گا۔ حق پر چلنے والوں کا نگہبان خدا ہے جو انہیں ضلالت و گمراہی

.....

۱۔ سورہ زمر آیت ۱۷، ۱۸

سے نکال کر نور کی وادی تک پہنچا دیتا ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ ،اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے، وہ انہیں تاریکی سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے۔لیکن جولوگ راہ حق سے ہٹ جاتے ہیں اور ہدایت کی راہ میں کفر اختیار کرتے ہیں وہ شیطان کے پیروکار ہوتے ہیں۔اور شیطان انہیں راہ راست سے گمراہی کے اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے۔جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ،اور کفر اختیار کرنے والوں کے سرپرست طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے تاریکی کی طرف لے جاتے ہیں، یہی جہنم والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔(۱)

ہدایت کی ذمہ داری خدا نے اپنے ذمہ لی ہے: اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝ ،راستہ دکھانا یقینا ہماری ذمے داری ہے۔(۲) راستہ دکھانا خدا کی ذمہ داری ہے یعنی خدا کی ذمہ داری ارائۃ الطریق ہے ایصال الی المطلوب ہرگز نہیں، خدا کی یہ ذمہ داری ہرگز نہیں ہے کہ ہر آدمی کا ہاتھ پکڑ کر منزل مقصود تک پہنچا دے۔خدا نے اچھے اور برے کی تمیز کرنے کے لئے عقل جیسی نعمت عطا کی ہے۔اور عقل کی رہنمائی کا عمل پروردگار عالم احسن طریقے سے انجام دیتا ہے۔خواہ کسی بھی شخص کے ذریعہ ہو پیغام ہدایت دوسرے تک پہنچا دیتا ہے۔کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہدایت کا پیغام مجھ تک نہیں پہنچا تھا جس کی وجہ سے میں جاہل رہا۔

.....

۱۔سورہ بقرہ آیت ۲۵۷ سورہ لیل آیت ۱۲

اب ہدایت کا راستہ نظر آنے کے باوجود اس راہ پر نہ چلنے کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ کچھ لوگ اس لئے راہ راست پر چلنے سے انکار کر دیتے ہیں کیونکہ ان کے باپ دادا اس باطل روش پر چل رہے تھے اور یہ لوگ ان کی روش کو ترک کرنا گوارا نہیں کرتے۔ کچھ لوگ اس لئے راہ راست پر نہیں چلتے کیونکہ انہیں راہِ راست پر نہ چلنے کا معاوضہ ملتا ہے۔ اگر وہ راہ راست پر چلنا شروع کر دیں اور معصوم لوگوں کو اپنی چکنی چپڑی باتوں کے ذریعے بہکانا بند کر دیں تو ان کا دانہ پانی بھی بند ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ اس لئے حق پر عمل پیرا ہونے سے کتراتے ہیں کیونکہ حق پر عمل کرنے کی صورت میں انہیں میسر منصب و اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

ہدایت کے بارے میں خدا کا قانون واضح اور روشن ہے: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝، ہم نے اسے راستے کی ہدایت کر دی چاہے شکر گزار بنے اور کفران کرنے والے۔(۱)

جہاں تک اعتراضات کا سوال ہے تو جن کے دل میں کھوٹ ہوتا ہے وہ کسی پر بھی اعتراض کرنے سے نہیں کتراتے۔ اس قسم کے اعتراضات کا سامنا انبیاءؑ و ائمہ معصومینؑ کو بھی کرنا پڑا۔ زمانے کے جاہل لوگوں کی طرف سے مشکلات کو برداشت کرنا انبیاءؑ اور ائمہ معصومینؑ کی سیرت رہی ہے۔ کون سا نبی یا معصوم گزرا ہے جن کو اپنے دور میں مخالفین کی جانب سے اعتراضات اور مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو۔ انبیاءؑ اور ائمہ معصومینؑ کے وارثوں اور نمائندوں کو اپنے زمانے کے ابوجہل اور ابولہب جیسی باطل

.....

۱۔ سورہ انسان آیت ۳)

قوتوں کی جانب سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، یہ مخالفتیں ختم ہونے والی نہیں ہیں کیونکہ حق اور باطل کی یہ جنگ قیامت تک جاری رہے گی۔

علماء اور ملت کے دردِ دل رکھنے والے افراد تو صرف اس بات کی سعی اور کوشش کرتے ہیں کہ معصوم لوگ ان کی میٹھی میٹھی باتوں کا شکار نہ ہو جائیں اور ان کے بے جا اعتراضات اور اشکالات کی وجہ سے معصوم اذہان راہ حق سے منحرف نہ ہو جائیں لہٰذا وہ مخالفین کے اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیتے ہیں۔ علماء کی کاوشیں بے جا اعتراض کرنے والوں کے لئے بھی اتمام حجت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی ذمہ داری تو حق کی بات دوسروں تک پہنچانا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾، اور ہم پر تو فقط واضح طور پر پیغام پہنچانا (فرض) ہے اور بس۔(۱)

بارگاہ الٰہی میں ہماری یہ التجا ہے کہ مراجعین کے سائے کو ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے اور یہ کاروان، مجتہدین عظام کی سرکردگی میں ہدایت ورہبری کی منازل طے کرتے ہوئے امام زمانہؑ کے قافلے سے منسلک ہو جائے۔ اور ان افراد کی ہدایت کے لئے دعا کی شدت سے ضرورت ہے جو سازشی عناصر کی چکنی چپڑی باتوں میں پھنس کر غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور مرکز ہدایت سے دور ہو جاتے ہیں۔ خدا اپنے فضل وکرم سے انہیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرے۔ آمین

.....

۱۔ سورہ یٰسین آیت ۱۷

منابع و ماخذ

نمبر شمار	نام کتاب	نمبر شمار	نام کتاب
1	قرآن مجید (ترجمہ محسن علی نجفی)	16	منیۃ المرید
2	نہج البلاغہ	17	المحاسن
3	تفسیر نمونہ	18	تحف العقول
4	تفسیر الامام العسکریؑ	19	معانی الاخبار
5	اصول کافی	20	غرر الحکم
6	تہذیب الاحکام	21	نوادر الراوندی
7	من لایحضرہ الفقیہ	22	صراط مستقیم
8	مستدرک الوسائل	23	المناقب
9	احتجاج طبرسی	24	مستطرفات السرائر
10	بحار الانوار	25	رجال ابن داؤد
11	وسائل الشیعہ	26	دعائم الاسلام
12	عوالی اللآلی	27	الطرائف
13	عیون اخبار الرضا	28	کمال الدین
14	الاختصاص	29	رجال الکشی
15	کشف الغمہ	30	فقہ الرضا

نمبر شمار	نام کتب	نمبر شمار	نام کتب
31	مفردات راغب	45	عنایات حضرت مہدی بہ علما و فقہا
32	لسان العرب	46	خاتمیت
33	کفایۃ الاصول	47	مرجعیت و روحانیت
34	فرائد الاصول (رسائل)	48	اجتہاد در عصر ائمہ معصومینؑ
35	الفصول المہمۃ فی اصول الائمۃ	49	مرجعیت
36	الایضاح (فضل ابن شاذان)	50	شیعہ شناسی
37	مصطلحات الفقہ	51	کشف الحقائق
38	دروس فی علم الاصول (حلقات)	52	عورت پردے کی آغوش میں
39	التنقیح فی شرح عروۃ الوثقیٰ	53	اجتہاد و تقلید پر اعتراضات کا تجزیہ
40	سخن	54	مسئلہ تقلید
41	پاسخ بہ پرسشھای مذہبی	55	اجتہاد و تقلید
42	تقلید چرا؟	56	ولایت فقیہ
43	صراط مستقیم	57	بحوث فی الاصول
44	صحیفہ سجادیہ		